لکھنؤ
تعمیرِ حیات
پندرہ روزہ
مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد ۲۹ | ۲۵ مئی ۱۹۹۲ء | مطابق ۲۱ ذیقعدہ ۱۴۱۲ھ | شمارہ ۱۴

ادارہ

(ع ، ع ، ن)

الحاج نواب عبید الرحمٰن خاں صاحب علیہ الرحمۃ

الحاج نواب مولوی عبید الرحمٰن خاں صاحب نے ۵ مئی ۱۹۹۲ء کو وفات پائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

اللہ تعالیٰ نے مرحوم کی عمر میں برکت عطا فرمائی تھی، ۱۸۹۷ء کی پیدائش تھی، آخر وقت تک قوائے باطنی بیدار اور ہوش حواس برقرار رہے، ان کو حق تعالیٰ کی طرف سے علم نافع اور رزقِ واسع کی دونوں نعمتیں ملی تھیں، اور ان دونوں نعمتوں کو انھوں نے خالق کی رضا اور مخلوق کی خدمت میں صرف کیا، اور اس طرح بہترین زادِ راہ لے کر اپنے ربِ کریم کے حضور حاضر ہو گئے۔

وہ دھیمی آواز میں جچی تُلی بات کرتے، اور میانہ روی کے ساتھ دور تک چلا کرتے تھے، اور اسی میانہ روی کے ساتھ انھوں نے زندگی کا طویل سفر کامیابی سے مکمل کیا، نہ تیز دوڑے نہ سست ہو کر بیٹھے، عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا[1] کی تصویر تھے، وہ اپنے والد نامور کے تین فرزندوں میں دوسرے صاحبزادے تھے اسی لحاظ سے اپنے خاندان اور ریاست میں "منجھلے میاں" کی عرفیت سے مشہور تھے، تعلیم مدرسۃ العلوم علیگڈھ سے شروع ہوئی، اور عربک کالج دہلی سے انٹرنس کرنے کے بعد مسلم یونیورسٹی میں ایف۔ اے میں داخلہ لیا، لیکن والد ماجد مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی صدر الصدور امور مذہبی ہو کر حیدرآباد منتقل ہو گئے تو ریاست کی ذمہ داری ان پر آ گئی، اسلئے رسمی تعلیم کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا، لیکن اسکی بہترین تلافی ان کے ذاتی مطالعہ، علماء، ادباء، مشائخ اور وقت کے مشاہیر کی صحبتوں سے ہو گئی، اور دینیات و ادبیات اور عصری علوم سے قریبی واقفیت حاصل کی، پھر عملی زندگی کی تجربہ گاہ نے ان کو بالغ نظری، دور رسی، معاملہ فہمی کے بہترین مراحل فراہم کئے، وہ عرصۂ دراز تک آنریری مجسٹریٹ رہے، مسلم یونیورسٹی کے کورٹ کے ممبر ۱۹۲۳ء میں ہو گئے تھے اور تادمِ آخر یہ تعلق قائم رہا، یونیورسٹی کے خازن بھی عرصہ تک رہے، لیکن یہ خدمت ان کی طرف سے اعزازی اور رضاکارانہ تھی، خازن نے اپنا واجبی حصہ بھی خزانہ سے نہیں لیا، ۱۹۲۶ء تک وہ یونیورسٹی کی مجلس عاملہ کے بھی ممبر رہے، وہ مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے بھی ممبر تھے، اپنے والد ماجد کی جانشینی میں مسلم ایجوکیشنل کانفرس کی اسٹینڈنگ کمیٹی کے ممبر اور خازن بھی رہے، چار یا پانچ مرتبہ وہ مسلم یونیورسٹی کے پرو وائس چانسلر ہوئے، اور غالباً ایک مرتبہ چانسلر بھی ہوئے، ان مناصب سے انھوں نے اپنے کسی فردِ خاندان مع اہل تعلق دوست و احباب کو بلا استحقاق کسی طرح کا نفع اٹھانے کا موقع نہیں دیا۔

مرحوم ندوۃ العلماء اور دار المصنفین کے مجلس ہائے عاملہ و منتظمہ کے سرگرم رکن تھے، ندوۃ العلماء سے خاندانی تعلقات اور اپنے والد ماجد کے شغف و تعلق کی بنا پر اور خود اپنے دینی رجحان کی بنا پر اختصاص کا معاملہ فرماتے تھے، وہ اس کی مجلس انتظامیہ کے مستقل ممبر تھے اور آخر دم تک رہے، ندوہ کے ذمہ دار اور خاص طور پر ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید ابو الحسن علی الحسنی مدظلہ ان کی بزرگداشت اور احترام ملحوظ رکھتے، وہ مجلس انتظامیہ کے علاوہ مجلس نظامت اور مختلف دینی کمیٹیوں کے بھی ممبر ہوتے اور ہر خدمت کو اپنی کارِ خیر سمجھ کر محبت و شفقت سے

(۱) سورۃ الفرقان۔ اللہ کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستہ قدم رکھتے ہیں۔

سرپرست
مولانا معین اللہ ندوی
نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ادارۂ تحریر
شمس الحق ندوی
محمود الازہار ندوی

مشاورت
مولانا نذر الحفیظ ندوی — مولانا سلمان حسینی ندوی
مولانا محمد خالد ندوی — مولانا عبد اللہ حسنی ندوی
مولانا محمد رضوان ندوی — ڈاکٹر ہارون رشید

خط و کتابت و منی آرڈر کا پتہ
منیجر تعمیرِ حیات پوسٹ بکس نمبر 93
ندوۃ العلماء لکھنؤ 226007 (یوپی)

زرِ تعاون ملکی
سالانہ — پچاس روپے
فی شمارہ — ۲/۲۵

بیرون ملک فضائی ڈاک
ایشیائی۔ یورپی۔ افریقی و امریکی ممالک
۲۵ ڈالر

بیرون ملک بحری ڈاک
بحری ڈاک جملہ ۱۰ ڈالر

نوٹ :۔
ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں، اور دفتر تعمیرِ حیات کے پتہ پر روانہ کریں

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ پچاس روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیرِ حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں

چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر لکھنا نہ بھولیں
نمبر یاد نہ ہونے کی صورت میں جس نام و پتہ پر تعمیرِ حیات جاتا ہے اسکی صراحت منی آرڈر کوپن پر ضرور کریں
اور اگر جدید خریدار ہیں تو بھی صراحت ضروری ہے

قارئین تعمیرِ حیات سے

ادارہ

الحمد للہ کہ پندرہ روزہ تعمیرِ حیات حالاتِ حاضرہ کو سامنے رکھتے ہوئے موجودہ عہد کے تقاضوں اور مسائل کے مدِ نظر اپنے قارئین کو مناسب و مفید غذا فراہم کرنے میں کوشاں ہے اور خدا کا شکر ہے کہ ہمارے قارئین اس سے نہ صرف دلچسپی رکھتے ہیں بلکہ ان کی پسند اور اس سے والہانہ تعلق کے خطوط برابر ملتے رہتے ہیں جن کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہوگی۔ لیکن تعمیرِ حیات چونکہ اس طرح کے خطوط شائع کرنا مناسب نہیں سمجھتا اس لئے وہ خطوط شائع نہیں کئے جاتے۔ بہر حال ادارہ تعمیرِ حیات اپنے ان قارئین کا بہت قدر داں ہے۔ اور ان کی ان تحریروں سے کارکنانِ ادارہ تعمیرِ حیات کے حوصلے بڑھتے ہیں

ہم اپنے قارئین سے یہ گذارش کرنا چاہتے ہیں کہ وہ موجودہ پر آشوب دور میں تعمیرِ حیات جیسے رسالوں کا جو روحانی غذا فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ دورِ جدید کے فتنوں سے آگاہ کرتے ہیں، اور اعتدال و توازن کی راہ دکھاتے ہیں، زیادہ سے زیادہ افراد اور گھروں تک پہنچانے کی کوشش کریں کہ یہ بھی ایک اہم دعوتی کام ہے۔ تعمیرِ حیات کا ہر قاری اگر یہ فیصلہ کر لے کہ اس کو تعمیرِ حیات کے لئے ایک خریدار ضرور بنانا ہے تو چند دنوں میں تعمیرِ حیات کی اشاعت دوگنا ہو جائے گی، جس سے اس کے خسارہ میں بھی کمی ہوگی، اور اس کے دعوتی مقصد کو بھی فائدہ پہنچے گا، جو تعمیرِ حیات کے اجراء کا اصل محرک ہے۔

یاد رکھیئے کہ یہ دور علم و مطالعہ کا دور ہے، اگر ہم اپنی نئی نسل کو صحیح ذہنی غذا مہیا نہیں کریں گے تو وہ اپنے اس جذبۂ مطالعہ کی تسکین کے لئے غلط لٹریچر پڑھے گی اور اس کا ایک طرفہ مطالعہ دین سے، اسوۂ نبویؐ سے، اپنے اسلاف کے کارناموں سے اور امت کے سوادِ اعظم سے اس کا رشتہ کاٹ دے گا۔ خصوصاً ہمارے ملک کے حالات جس رخ پر جا رہے ہیں، اور ملک کے مستقبل کی جو تصویر بنائی جا رہی ہے وہ ہماری جدید نسل کے لئے نہایت بھیانک ہے۔ لہٰذا نئی نسل کو صالح غذا پہنچانا اور خود بڑوں کو سوچنے کا صحیح رخ دینا نہایت ضروری ہے۔ اور خدا کا شکر ہے کہ تعمیرِ حیات اس کام کو مناسب طور پر انجام دے رہا ہے۔

لہٰذا اپنے قارئین سے اس کی توسیعِ اشاعت میں حصہ لینے کی توقع بے جا نہ ہوگی۔ ہمارے بعض قارئین ایسے بھی ہیں جو وقتاً فوقتاً تعمیرِ حیات کو بطور تعاون رقم بھیجتے رہتے ہیں۔ ادارہ ایسے مخلصین کا بڑا قدرداں ہے۔ یہ حضرات اس تحریک کی شکل میں دعوتی کام میں حصہ لے کر عند اللہ ماجور ہو رہے ہیں۔

ہمیں امید ہے کہ اس اپیل کے بعد جدید خریداروں کے منی آرڈر ہماری ہمت اور حوصلہ کو بڑھائیں گے

وباللہ التوفیق

تعمیرِ حیات

ترجمان ندوۃ العلماء ہے تعمیرِ حیات
مدتوں سے جانتے ہیں قدرداں اسکے یہ بات
بو الحسن کی سرپرستی کا شرف کچھ کم نہیں — جانی پہچانی عرب ملکوں میں بھی ہے انکی ذات
یہ ادیب و عالم و خوش فکر و خوش اخلاق ہیں
با مروت مخلص و ذی مرتبہ اعلیٰ صفات
ان کے اور انکے رفیقوں کی ہے کوشش کارگر — پندرہ روزہ نکلتا ہے جو تعمیرِ حیات
ہم کو اس کے سولہ صفحوں میں بقدر حسن شعور
دین و اخلاق و شریعت کی نظر آتی ہے بات
اہل ملت! کیا ضرورت ہے کسی تلقین کی — چاہئے ہم سب خریدیں خود سے تعمیرِ حیات
ہم مسلمانوں میں یہ پرچہ بہت مقبول ہے
اس کی شہرت عام ہے مشہور ہیں اس کے صفات
اہل بینش کے لئے یہ آخری فقرہ کہوں — ہے یہ پرچہ بالیقیں معمارِ تعمیرِ حیات
فرضِ انسانی شرافت کا یہی ہے اے طفیل
دن کو دن کہیئے ہمیشہ رات کو بس کہیئے رات

ڈاکٹر طفیل احمد مدنی

انجام دیتے، آخر عمر کے کئی سال ایسے گذرے کہ انھوں نے علیگڈھ سے باہر نکلنا بند کر دیا تھا، پلیٹ فارموں پر دور تک چلنا اور ریلوں سے اترنا چڑھنا ان کے لئے دشوار ہوگیا تھا، تاہم جو کاغذات ان کی خدمت میں بھیجے جاتے انھیں غور سے ملاحظہ فرماتے اور اپنی صائب رائے مرحمت فرمایا کرتے تھے، مخدوم و مربی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ سے عمر میں وہ تقریباً ۲۰ سال بڑے تھے، نواب صاحب مولانا کے والد ماجد اور حضرت سید صاحب (مولانا سید سلیمان ندویؒ) کے عہد شباب کا زمانہ دیکھے ہوئے تھے لیکن اس کے باوجود وہ مولانا کا اس درجہ شفقت آمیز احترام ملحوظ رکھتے جیسے اپنے آپ کو خود محسوس کرتے ہوں، یہ تواضع للّٰہیت اور خدا ترسی کی دلیل تھی۔

نواب صاحب علیہ الرحمہ نے اپنا فریضۂ حج تو ۱۹۳۲ء میں ادا کر لیا تھا، آخر عمر میں ایک اور حج کیا جبکہ یہ راقم آثم مکہ مکرمہ میں تھا، مکہ مکرمہ میں حضرت مغفور لہ کا قیام ان کے کسی عزیز کے یہاں تھا، جو کسی کمپنی میں کام کرتے تھے، اور ان کی قیام گاہ شہر کے آخری کنارے پر تھی، معلوم ہوا تو خدمت میں حاضری کا ارادہ کیا، لیکن قبل اسکے کہ مجھے یہ سعادت حاصل ہو، وہ خود تشریف لے آئے اور ایک تعارف نامہ بھی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کا تحریر کردہ مرحمت فرمایا، جسکی وجہ سے اور بھی شرمندگی میں اضافہ ہوا، نواب صاحب مرحوم کو الحمد للہ کسی قسم کی کمی نہ تھی اور نہ کوئی ضرورت تھی، یہ تعارف نامہ محض احتیاطاً رکھ لیا تھا، اس عاجز نے بھی اس نعمت غیر مترقبہ سے فائدہ اٹھایا، یہ زمانہ پالکیوں کا نہیں تھا کہ غایت اعزاز میں ان کے کہاروں میں شریک ہو جاتا البتہ اپنی ڈرائیوری کی خدمت پیش کی جسے قبول فرمایا، حرم شریف آتے جاتے اور واپسی میں جدہ تک رفاقت کی مسرت و سعادت حاصل کی، حضرت مرحوم دیار پاک کی اس ادنیٰ نسبت کا اتنا لحاظ فرماتے تھے کہ ان کو بیان کرنا علیحدہ رہا سوچ کر شرمندہ ہو جاتا ہوں، علیگڈھ کے در دولت پر کئی بار حاضری دی، کسی کام سے بھی گیا، ایک بابرکت شخصیت کی خدمت میں حاضری میرے لئے باعث سعادت تھی، مگر انکے پرتپاک خیر مقدم اور عزت افزائی کے وہ انداز ہوتے کہ جسکی حقیقت اور اصل سبب کو نہ سمجھتا تو اپنے متعلق غلط فہمی پیدا ہو جاتی، سبب اس اکرام کا یہ گنا ہگار نہیں تھا بلکہ دیار محبوب سے نسبت، خواہ کتنی دور کی نسبت سہی یہ احساس کہ "خاشاک رسیدہ" اسی دیار کا ہے، وہ اس غبار کو چومنا چاہتے تھے جس میں چند ذرات اس شہر خوباں کے تھے وہ ان آنکھوں کو حسرت سے دیکھتے تھے جنکے متعلق انکو علم تھا کہ وہ در پاک کا سرمہ لگا چکی ہیں، یہ دولت خود انھیں بھی حاصل تھی اور ہزاروں آنے جانے والوں کو حاصل ہوتی ہے اور وہ اسطرح کے ہزاروں سے ملتے ہونگے لیکن عشق و محبت کی منطق ہی نرالی ہوتی ہے، وہاں کہنگی کا گزر نہیں ہر لحظہ نیا شوق اور ہر آن نئی امنگ بیدار ہوتی ہے، وہ ان لوگوں میں تھے جن کے قلب سے یہ صدا نکلتی ہے

مصلحت نیست مرا سیری ازاں آب حیات
ضاعف اللّٰہ بہ کل زمان عطشی

ان کی وفات سے نیاگان کہن کا ایک روشن نشان مٹ گیا، محفل رفتگاں کا ایک چراغ گل ہوگیا، اللّٰھم برّد مضجعہ ونوّر قبرہ۔ (آمین)

محبت خلوت غار حرا ہے

ڈاکٹر عطیہ خلیل عرب

رگ جاں کا یہ کیسا سلسلہ ہے
وہ چہرہ ہے، وہی چہرہ نما ہے
محبت کی جہانگیری ازل سے
محبت رحمۃ للعالمینؐ ہے
محبت جلوہ گاہ طور سینا
محبت ہے شہادت کربلا کی
محبت سر بکف اعلان حق ہے
محبت نعرۂ مست انا الحق
محبت دائمی کیف و حرارت
بہت نزدیک آپہنچے ہیں پھر بھی
غضب کی دھوپ تھی راہ طلب میں
محبت روزن زندان ہستی
وہی اک حرف جو جان سخن تھا
محبت تشنگی میں جام شیریں
محبت ایک تابندہ روایت

جہاں ٹوٹا، وہیں سے مل گیا ہے
کہ آئینہ اسی کو دیکھتا ہے
محبت ہی ابد کی انتہا ہے
محبت اسوۂ خیر الوریٰ ہے
محبت خلوت غار حرا ہے
شہادت ہی محبت کا صلہ ہے
محبت تشنہ لب، دست دعا ہے
محبت منبع صدق و صفا ہے
محبت سرمدی رنگ قبا ہے
کم از کم دو کماں کا فاصلہ ہے
کہیں اک سائباں سا مل گیا ہے
محبت روشنی کا نقش پا ہے
لبوں تک آتے آتے رہ گیا ہے
محبت بیکسی میں آسرا ہے
محبت بے نواؤں کی نوا ہے

کسی کو اور اب ہم کیا بتائیں
عجب اک سانحہ سا ہوگیا ہے

مسلم ممالک میں
اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش
تالیف:- مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
- مسلم ممالک میں مغربیت اور اسلامیت کی کشمکش کی مستند تاریخ۔
- مغربیت کے رجحان کے آغاز و ارتقا کی کہانی۔
- مختلف ممالک میں تجدد کی تحریکوں کا تاریخی جائزہ، ان کے اسباب و محرکات اور ان کا علاج۔
- مغربی تہذیب کے بارے میں مسلم ممالک کے صحیح رویہ کا تعین، اور عصر حاضر میں ان کے کردار و پیغام کی تشریح۔
تازہ ایڈیشن اضافوں اور ترمیمات کے بعد معیاری کتابت و طباعت
عمدہ کاغذ قیمت -/۳۵ انگریزی ایڈیشن -/۴۰
مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ

بقیہ: مولانا مسعود شمیمؒ

مولانا کے اچانک سانحۂ ارتحال نے تمام متعلقین و منتسبین کو غمزدہ کر دیا اتوار کی صبح بعد فجر ۲۰ شعبان المعظم ۱۴۱۲ھ مطابق یکم مارچ ۱۹۹۲ء کو مکہ مکرمہ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا جس نے سنا دم بخود ہوگیا، سانحہ کی خبر جس جس کو [illegible] کی نماز کے بعد مدرسہ صولتیہ میں غسل اور تجہیز و تکفین انجام پائی۔ سوگواروں نے آخری زیارت کی مدرسہ کے صحن میں پہلی بار نماز جنازہ ادا ہوئی جسمیں علماء صولتیہ اور طلبہ کے علاوہ کافی تعداد میں شرکت کرنے والے تھے۔ نماز جنازہ حرم پاک کے محترم صالح الدین مکہ معظمہ کی علمی شخصیت اور دار العلوم حرم کے قدیم فاضل استاذ علامہ شیخ اسماعیل عثمان زین نے پڑھائی، پھر جنازہ حرم شریف لیجایا گیا۔ نماز عصر کے بعد حرم شریف میں اجتماعی اور عمومی نماز جنازہ دوبارہ امام حرم محترم کی امامت میں ادا ہوئی، جنۃ المعلاۃ کی طرف جنازہ نے رخ کیا اور آواز بلند جہری کلمہ شریف کی فضاؤں میں یہ جم غفیر اور جمع کثیر مغموم فضاؤں اور محزون قلوب [illegible] حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے جوار میں صحابہؓ و صدیقین و علماء و ابرار کے پڑوس میں اور احاطہ اکابر صولتیہ میں حضرت مولانا محمد رحمت اللہ کیرانوی اور حضرت حاجی محمد امداد اللہ علیہما الرحمہ کے پہلو میں سپرد رحمت و آغوش مغفرت کیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون
اللّٰھم اغفرلہ وارحمہ۔

خواتین کی ذمہ داریاں

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

زیر نظر مضمون حضرت مولانا مدظلہ کا وہ خطبۂ صدارت ہے جو جامعہ نور الاسلام نسواں لکھنؤ کے جلسۂ تقسیم اسناد (منعقدہ ۱۵/۱۶ راپریل ۱۹۹۲ء) کے موقع پر پڑھا گیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ

معزز حاضرین و محترم خواتین!
اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:-

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا (سورۃ الاحزاب-۳۵)

جو لوگ خدا کے آگے سر اطاعت خم کرنے والے ہیں یعنی) مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں، اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں اور پاک دامن مرد اور پاک دامن عورتیں اور خدا کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں کچھ شک نہیں کہ ان کے لئے خدا نے بخشش اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں دس صفات کا ذکر کیا ہے، لیکن ہر مرتبہ وہ تذکیر و تانیث کے الگ الگ صیغوں میں مردوں اور عورتوں کا ذکر فرماتا ہے اور ان کی ایک ایک صفت کا ذکر کرتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کو اپنی بندیوں سے کتنی محبت ہے اور ان کے لئے ہر عمدہ صفت اور کمال میں ترقی و امتیاز حاصل کرنے کا کتنا امکان اور وسیع میدان ہے اس سے اس کا بھی اشارہ ملتا ہے (اور مذاہب و اخلاقیات کی تاریخ پر نظر رکھنے والے اس کی تصدیق کریں گے) کہ بہت سے قدیم مذاہب اور نظامہائے اخلاق میں طبقۂ نسواں کو بہت سے اخلاقی فرائض اور کمالات سے مستثنیٰ سمجھا جاتا تھا۔ اور یہ اس کے لئے عیب نہ تھا اعمال کی یہ طویل فہرست اس لئے بیان کی تاکہ معلوم ہو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ جس طرح اپنے بندوں پر شفقت کرتا ہے اسی طرح اپنی بندیوں پر شفقت کرتا ہے، اس کی صفت ربوبیت اور اس کی صفت رحمت مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے عام اور ان پر سایہ فگن ہے اس کا پورا امکان تھا کہ ایمان و یقین، عبادت و اطاعت، صداقت و خلوص، صبر و ایثار، خوف و خشیت، صدقہ و خیرات اور پاک بازی اور پاک دامنی کے میدان میں پوری اجارہ داری مردوں کی ہو جائے اس لئے کہ یہ اوصاف و خصوصیات، بلکہ کمالات و امتیازات، بڑی ہمت و عزم اور قربانی و ایثار کے طالب ہیں اور مذاہب و اخلاق اور علم و تمدن کی تاریخ میں زیادہ تر بلکہ تمام تر مردوں ہی کے نام آتے ہیں، پھر عورتوں کی بہت سی ایسی صنفی ذمہ داریاں اور فرائض ہیں جن سے مرد آزاد ہیں، مثلاً خانہ داری کی ذمہ داریاں، اولاد کی پرورش، ان کی غذا اور پوشاک، ان کی دیکھ بھال اور تیمارداری۔

کم سے کم ولایت کے سلسلہ میں بالکل امکان تھا کہ ہم صدہا بلکہ ہزاروں اولیاء اللہ سے واقف ہوتے، اور اس سلسلہ میں ایک خاتون کا نام بھی نہ سنا ہوتا، لیکن اس نورانی فہرست میں بھی حضرت رابعہ بصریہ کا نام درخشاں اور تاباں نظر آتا ہے اور ان کا نام اب بھی زندہ ہے، کتنی بچیوں کا نام تبرکاً یہی رکھا جاتا ہے، سوانح اور سیر کی تاریخوں اور تصوف و سلوک کی کتابوں میں ان کی عبادت، ولایت و کرامات، اور مقبولیت و عظمت کے واقعات درج ہیں اسی طرح صدہا مقبولین بارگاہ الٰہی اور پیشوایان طریقت و سلوک کی روحانی تربیت و ترقی میں ان کی ماؤں کا بنیادی حصہ ہے، اور انھوں نے خود اس کا اظہار و اعتراف کیا ہے، ان سب کا نام لینا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے، نمونہ کے طور پر ہم عالم اسلام کے سب سے مشہور و مقبول بزرگ پیران پیر سیدنا عبد القادر جیلانیؒ کا، اور ہندوستان کے مشہور و مقبول بزرگ محبوب الٰہی سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا نام لیتے ہیں، ان کے تذکرے، حالات و سوانح کی کتابیں پڑھی جائیں تو معلوم ہوگا کہ وہ اپنی ماؤں کی تربیت اور اپنے بچپن میں اپنے گھر کی فضا اور ماحول کا کتنی اہمیت اور ممنونیت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، اور اس کے احسان مند اور شکر گذار نظر آتے ہیں۔

علمی کمالات اور علم کی خدمت و اشاعت کے سلسلہ میں مجھے افسوس ہے کہ فضلائے امت کی تو سیکڑوں تاریخیں ہیں، لیکن فاضلات امت کی تاریخ بہت کم لکھی گئی ہے، لیکن پھر بھی تذکرہ نویسوں نے خواتین کو بالکل نظر انداز نہیں کیا، دینی علوم و ادبی کمالات کے سلسلہ میں ان کے نام آتے ہیں، علمی ذوق و شوق اور شغف کی کامیابی، اور علمی جد و جہد کی یہاں صرف ایک ایسی روشن مثال پیش کی جاتی ہے جس سے اچھے خاصے واقف آدمی پر بھی ایک عالم تحیر چھا جاتا ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ قرآن مجید کے بعد اسلام کے پورے کتب خانہ اور اس کے پورے علمی ذخیرہ میں کس کتاب کا درجہ ہے؟ یہ صحیح بخاری ہے جس کو "اصح الکتاب بعد کتاب اللّٰہ" کا لقب دیا گیا ہے، وہ ہر مدرسہ اور دار العلوم کے لئے معیار فضیلت ہے، ختم بخاری کی تقریب بڑے بڑے دار العلوم کے لئے قابل فخر اور قابل ذکر تقریب ہوتی ہے اور اس جامعہ میں بھی اس کے ختم کی تقریب منائی گئی ہے، آپ کے علم میں ہے کہ وہ بخاری شریف ہندوستان میں اور اکثر علمی مرکزوں میں کس کی روایت سے پہونچی ہے اور فضلائے مدارس کو اس کی سند دی جاتی ہے؟ یہ ایک فاضلہ خاتون کریمہ کی روایت ہے ایک معتبر تذکرہ کی کتاب میں ان کا تعارف ان الفاظ میں آیا ہے:-

کریمة بنت احمد بن محمد المروزیة محدثة کانت تروی صحیح البخاری قال ابن الاثیر انتهی الیها علو الاسناد للصحیح، عاشت تقریباً مائة سنة اصلها من مرو الروذ، ووفاتها بمكة، ویقال لها ام الكرام وبنت الكرام۔[1]

کریمہ دختر احمد بن محمد مروالروذ کی رہنے والی محدثہ خاتون ہیں جو صحیح بخاری کی خاص راویہ ہیں مؤرخ ابن الاثیر کہتے ہیں کہ صحیح بخاری کی سب سے اونچی سند انھیں کے ذریعہ ہے، تقریباً سو سال کی عمر پائی، مروالروذ کی رہنے والی تھیں، انتقال مکہ مکرمہ میں ہوا، ام الکرام اور بنت الکرام کے لقب سے یاد کی جاتی ہیں۔

اب ادب کے میدان کو لیجئے ولادہ بنت المستکفی اندلس (اسپین) کے حکام میں سے ایک سربر آوردہ شخصیت کی صاحبزادی تھیں، ان کا ادبی ذوق، سخن فہمی، اور بالغ نظری مسلّم اور ان کا نام اس سلسلہ میں تذکرہ اور تاریخ کی کتابوں میں روشن ہے، ان کا ادبی اور شعری دربار ایسا منعقد ہوتا تھا، جیسے بادشاہوں کے دربار منعقد ہوتے تھے، بڑے بڑے ادباء ان کے پاس استفادہ کے لئے آتے تھے۔[2]

جہاں تک ہمت و عزیمت، ایثار و قربانی، اور جذبۂ جہاد کا تعلق ہے، اس کی ایک مثال دینی کافی ہے، جس کی نظیر اسلام ہی نہیں، دنیا کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے، حضرت خنساءؓ عربی زبان کی مسلّم اور مستند اور غیر فانی شہرت کی مالک شاعرہ ہیں، ان کے دو بھائیوں کا انتقال ہوگیا تھا، ان کے لئے انھوں نے ایسے دل دوز مرثیے کہے کہ ان کی نظیر عربی مرثیوں ہی میں نہیں، دنیا کی دوسری زبانوں کے مرثیوں کے ذخیرہ میں بھی ملنا مشکل ہے، یہ واقعہ ان کے اسلام لانے سے پہلے کا ہے، یہی حضرت خنساء رضی اللہ عنہا جب اسلام لائیں تو اسلام نے ان کی نفسیات میں عظیم انقلاب برپا کر دیا، جس اللہ کی بندی نے اپنے بھائیوں پر رونا اپنا شعار و معمول بنا لیا تھا، اور ان کی شاعری اسی پر مرکوز ہو کر رہ گئی تھی، سب کو معلوم ہے (خاص طور پر ہماری بہنوں اور محترم خواتین کو) کہ بھائی اور بیٹے میں کیا فرق ہوتا ہے، بھائی سے ہزار محبت ہو، بیٹا لخت جگر اور نور نظر ہوتا ہے، اور جان سے زیادہ پیارا، انھیں خنساءؓ نے جہاد کے ایک موقعہ پر اپنے بیٹوں کو بلایا، ایک ایک کو رخصت کیا اور کہا، بیٹا! میں نے اسی دن کے لئے تم کو دودھ پلایا تھا، اللہ کے راستہ میں جاؤ اور ہم کو سرخ رو کرو، اس کے بعد ایک ایک کی شہادت کی خبر سنتی رہیں، جب آخری بیٹے کی شہادت کی خبر سنی تو ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَكْرَمَنِیْ بِشَهَادَتِهِمْ۔ — اس خدا کا شکر ہے جس نے ان کی شہادت کی عزت و نسبت سے مجھے سرفراز فرمایا۔[3]

ان اوصاف اور کمالات کے علاوہ دو ایسے میدان ہیں، جن میں خواتین کو سبقت حاصل ہے، اور وہ ان میدانوں میں جو کارنامہ انجام دے سکتی ہیں اور اس کے ذریعہ سے امت اسلامیہ کا صرف نسلی تسلسل ہی نہیں اعتقادی، اخلاقی، ذہنی اور تہذیبی تسلسل کے قائم رہنے میں بنیادی کردار ادا کر سکتی ہیں، وہ انھیں کا حصہ ہے، اور ہر دور میں ان کے نہ صرف تعاون بلکہ اس کی ذمہ داری قبول کرنے اور اس کو سر انجام دینے کے بغیر یہ معنوی تسلسل (جو اس امت کی اصل قیمت اور اس کی ضرورت و افادیت کا ثبوت ہے) قائم نہیں رہ سکتا۔

یہ دو میدان ہیں، ایک نئی نسل کی دینی تعلیم و تربیت کا ابتدائی کام اور اس کے قلب و ذہن پر اسلام کا نقش قائم کرنا اور اس کو عمیق و مستحکم بنانا، دوسرے اسلامی تہذیب و معاشرت کی حفاظت اور نئی نسل کو غیر اسلامی تہذیب و معاشرت کے اثرات سے بچانا ہے۔

ہماری زبان و محاورہ میں جب یہ بتانا ہوتا ہے کہ فلاں عادت، یا یقین، یا خوبی، یا کمزوری، دل و دماغ میں پیوست ہوگئی ہے اور اب وہ نکالی نہیں جا سکتی، تو کہا جاتا ہے کہ "یہ چیز گھٹی میں پڑی ہوئی ہے" اور ظاہر ہے کہ یہ گھٹی ماں اور گھر کی شفیق اور مربی بیبیوں کے ذریعہ ہی بچوں کو ابتدائے شعور میں گھر ہی میں دی جا سکتی ہے، ماہرین تعلیم و تربیت اور علمائے نفسیات نے اس حقیقت پر بہت زور دیا ہے کہ بچہ کے ذہن کی سادہ تختی پر جو ابتدائی نقوش پڑ جاتے ہیں، وہ کبھی نہیں مٹتے، اور خواہ ان کو مٹا ہوا سمجھ لیا جائے، لیکن درحقیقت وہ مٹتے نہیں، دب جاتے ہیں، اور وقت پر ابھرتے ہیں، اس حقیقت کو تسلیم کر لینے کے بعد ماؤں اور بچہ کی تربیت کرنے والیوں کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے جو اس سادہ تختی پر آسانی کے ساتھ اچھے نقش بنا سکتی ہیں، اور جن کو کوئی طاقت اور کوئی تعلیم و تربیت آسانی کے ساتھ مٹا نہیں سکتی۔

ماؤں اور پرورش کرنے والی خواتین اور گھر کی ان بیبیوں کا جو رشتہ میں بزرگ اور گھر کے ماحول میں اثر انداز اور قابل احترام ہوتی ہیں اتنا ہی فرض اور ذمہ داری نہیں کہ وہ بچوں کو اللہ اور رسول کا نام سکھا دیں کلمہ یاد کرا دیں، اور جب وقت آئے تو نماز پڑھنا سکھا دیں، یہاں تک کہ قرآن شریف پڑھنا بھی ان کو آجائے، اور اردو پڑھنے کے قابل بھی ہو جائیں، ہندی کا زبان

اور رسم الخط کی اس قربان روائی کے دور میں جب لاکھوں مسلمان بچے اور بچیاں اُردو کی ایک سطر پڑھنے اور اپنا نام تک لکھنے کے قابل نہیں ہوتیں، بلکہ اپنا نام زبانی بھی لینے اور بتانے کی ان میں صلاحیت نہیں ہوتی جس کی درجنوں مثالیں، انٹرویو کی مجلسوں، اسکولوں میں داخلے اور ملازمت کی درخواست دینے کے موقعہ پر سامنے آچکی ہیں، جو زیادہ تر گھروں کے اندر اُردو لکھنے پڑھنے کی صلاحیت پیدا ہونے اور اسلامی تاریخ، انبیاء علیہم السلام، صحابۂ کرامؓ، ازواج مطہراتؓ، اہل بیتؓ، اور پیشوایانِ اسلام کے ناموں تک سے واقف کرانے کے کام سے غفلت اور سستی کا نتیجہ ہے۔

اس ضروری کام کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ ان بچوں کو کفر و شرک سے نفرت توحید سے محبت، اس پر فخر، اسلامی نسبت اور مسلمان ہونے اور کہلانے پر مسرت و عزت کا احساس، دین کی حمیت و غیرت، خدا کی نافرمانی اور خدا کے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق، اور بشریت کی حد تک محبت، گناہوں سے نفرت اور گھن، دنیاوی ترقی ہی کو زندگی کا مقصد اور کامیابی اور عروج کی دلیل سمجھنے سے حفاظت، راست بازی، اور راست گوئی کی عادت، خدمت و ایثار کا شوق، خدمتِ خلق اور وطن دوستی کا جذبہ پیدا کرنا بھی اُن کی ذمہ داری اور انھیں کے کرنے کا کام ہے، اور اگر یہ کام بچپن میں اور گھروں کے اندر نہیں ہوا، تو دنیا کی بڑی سے بڑی دانش گاہ، اور سرکاری یا عالمی پیمانہ پر کوئی تربیت گاہ نہیں کرسکتی، اور اس مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتی۔

یہ بھی صفائی سے کہنا پڑتا ہے کہ جب تک مسلمان بچوں کو بُت پرستی اور کفر و شرک سے خواہ وہ کسی بیرونی و ملکی دیومالا (MYTHOLOGY) اور نصابِ تعلیم (TEXT BOOKS) کے ذریعہ سے ہو یا ریڈیو، ٹی، وی یا لکچروں کے ذریعہ سے ہو یا خود مسلمانوں کے دین سے ناواقفیت اور دنیادار اور پیشہ ور گروہوں کے اثر سے ہو، اس طرح نفرت اور گھن نہ پیدا ہو، جیسی گندی اور بدبودار چیزوں سے ہوتی ہے، تو ان کے ایمان کی حفاظت نہیں ہوسکتی، اور ان کے صحیح العقیدہ مسلمان ہونے کی ضمانت نہیں دی جاسکتی، یہ تربیت، یہ محبت و نفرت جو طبیعت کا خاصہ اور حواسِ خمسہ کے ساتھ ایک نیا حاسہ بن جائے، مسلمان گھرانوں کی میراث اور مسلمان نسلوں کے اعتقادی و معنوی تسلسل کا راز رہا ہے، اور جب تک یہ کام گھروں میں اور ماؤں اور گھر کی بڑی بہنوں اور بزرگ خواتین کے ذریعہ انجام نہیں پائے گا، بڑے سے بڑے پُراثر مواعظ، مؤثر سے مؤثر دینی کتابیں اور مدارسِ دینیہ عربیہ کے لائق ترین اساتذہ کے ذریعہ بھی اس میں کامیابی حاصل ہونی مشکل ہے۔

دوسرا میدان جس میں خواتین کو امتیاز اور قیادت و رہنمائی کا شرف حاصل ہے، وہ اسلام کے تہذیبی و معاشرتی امتیاز کا باقی رکھنا، اس کا تسلسل و دوام اور غیر اسلامی تہذیبوں اور طرزِ معاشرت سے حفاظت کا مسئلہ ہے، اس کے لئے قدرے تفصیل اور قدیم اسلامی تاریخ پر ایک نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔

اسلام کو بالکل ابتداہی میں ایک ایسے انوکھے چیلنج کا سامنا کرنا پڑا، جس سے تاریخ میں شاید کسی مذہب کو اس درجہ میں واسطہ نہیں پڑا، جزیرۃ العرب سے نکلنے والے عرب مسلمانوں کو دو ایسے ترقی یافتہ تمدنوں کا سامنا کرنا پڑا جن سے بڑھ کر کسی دوسرے تمدن کا تجربہ، انسانی و تہذیبی تاریخ میں عرصہ سے نہیں کیا گیا تھا، یہ دو تمدن رومی و ایرانی تمدن تھے، جو تہذیب، آرٹ، انسانی زندگی کو سنوارنے اور اس کو منظم کرنے، راحت و آسائش کے سامان کی فراہمی اور فراوانی میں کئی منزلیں طے کرچکے تھے، اور ترقی کے آخری درجہ تک پہونچ گئے تھے، یہ تمدن اپنی تراش خراش میں بڑی رعنائی رکھتے تھے، اور بڑے دل فریب تھے، آلات و وسائل، راحت و دل چسپی کے سامان، زندگی گذارنے کے بلند معیار، خانہ داری کے ترقی یافتہ طور طریق اور لباس، خوراک، اور گھروں کی زینت و آرائش کے آلات و وسائل سے اُن کا تمدن مالامال تھا۔

اس کے برخلاف عرب اپنے ابتدائی دور میں یا صحیح الفاظ میں تہذیبی طفولیت کے دور میں تھے، درحقیقت یہ تجربہ جس سے ابتدائی مسلمانوں کو گذرنا پڑا، بڑا نازک تجربہ تھا، اسلام یقیناً آسمانی تعلیمات، عقائد اور اخلاقِ عالیہ، اور آدابِ حسنہ سے آراستہ تھا، لیکن تہذیب و معاشرہ کی قیادت کی باگ ڈور اس وقت رومیوں اور ایرانیوں کے ہاتھ میں تھی، اس لئے اس کا امکان تھا، اور سارے قرائن بتارہے تھے کہ یہ عرب اور مسلمان جنھوں نے ایک تنگ و تاریک ماحول میں آنکھیں کھولی ہیں، اور جن کے پاس بہت محدود وسائل تھے جن کی زمین دولت کے سرچشموں سے خالی ہے، اُن کی زندگی خیموں اور خام و نیم خام مکانات میں گذری ہے، اور ایک طرح سے "خانہ بدوشانہ" زندگی کہی جاسکتی ہے، تاریخ کی کتابوں میں آتا ہے کہ جب پہلی مرتبہ عرب مجاہدین و مُبلّغین نے (ایرانی فتوحات کے زمانہ میں) کھانے میں چپاتیاں دیکھیں تو وہ سمجھے کہ یہ ہاتھ پونچھنے کے لئے دستی رومال ہیں، کھانے کے بعد ہاتھ پونچھنے کے لئے جب انھوں نے ان باریک چپاتیوں کو اٹھایا تو معلوم ہوا کہ یہ تو روٹی ہے، اسی طرح جب ان کو پہلی مرتبہ کافور سے سابقہ پڑا تو وہ سمجھے کہ یہ نمک ہے، اور بعض اوقات انھوں نے اس کو آٹے کے ساتھ گوندھ دیا۔[1]

غرض یہ کہ جب فتوحات کا دور شروع ہوا تو ان بادیہ نشینوں کو ایک ایسے ترقی یافتہ اور دل کش تمدن سے سابقہ پڑا جس کو انھوں نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا، اس لئے اس کا پورا امکان ہی نہیں، بلکہ اس کے سب قرائن موجود تھے کہ وہ اس تمدن پر دیوانہ وار اور پروانہ وار گرتے، اور اس کی ہر خُو کو اختیار کرتے اور اس پر فخر کرتے، ان کے تمدن و معاشرت روزمرّہ کی زندگی، اور خوراک و پوشاک کا معیار اتنا اونچا ہو جاتا کہ اس کے حصول کے لئے ان کو حدودِ شرعیہ ہی نہیں، اپنے عُرف و رواج کے حدود سے بھی تجاوز کرنا پڑتا، وہ اس سب کو ایک فیشن، ترقی پسندی، بلکہ بیداری اور حقیقت پسندی کی علامت کے طور پر اختیار کرتے اور اس سے وہ سب خرابیاں پیدا ہوتیں، جو مادہ پرست، دنیادار، اور تمدن و ترقی کی وبا زدہ اقوام و ممالک میں پیدا ہوتی رہی ہیں، اور تاریخ میں اس کی صدہا مثالیں ملتی ہیں، اس کے تصوّر کے لئے ان مشرقی ممالک و اقوام کا نقشہ اور ان کا طرزِ عمل دیکھ لینا کافی ہے، جو مغربی تمدن و ترقی کی نقالی کا شکار ہوئیں، اور ان کی خوشہ چیں بن گئیں، اور انھوں نے دینی تعلیمات و احکام، حدودِ شریعت اور اپنی قدیم تہذیبی روایات سے یکسر آنکھیں بند کرلیں۔

واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے اس مشکل پر مردوں اور عورتوں کے باہمی تعاون سے قابو پایا، اس میں بہت بڑا دخل مسلمان خواتین کے ایمان و یقین، قناعت و ایثار، دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے، اور صحابیات و گذشتہ صاحبِ ایمان و صلاح مستورات کا نمونہ سامنے رکھنے کا نتیجہ تھا، مرد رومی و ایرانی تمدن کی نقالی اور اس کے ترقی یافتہ طور طریق، طرزِ معاشرت، اور زیب و زینت کے آلات و وسائل کے اختیار کرنے سے کتنے ہی روکنے کی کوشش کرتے، اور کتنی ہی مؤثر اور بلیغ تقریریں کی جاتیں اسلامی معاشرہ (SOCIETY) رومی و ایرانی تمدن اور طرزِ معاشرت اور اس کی نقالی سے بچ نہیں سکتا تھا، علماء و واعظین، حکام و سلاطین، اخلاقی احتساب کرنے والے ذمہ دار، فوجی کمانڈر اور افسران بھی اسلامی معاشرہ، اسلامی شخصیت، اور اسلامی تہذیب و تمدن کی حفاظت نہیں کرسکتے تھے، ان خواتین کا اسلامی تشخص کی حفاظت ہی نہیں، بلکہ اسلامی وجود کے بقا میں بھی بڑا حصہ ہے۔

اب بھی اگر کوئی طاقت مغربی تہذیب کی نقالی اور یہی نہیں بلکہ نئی اُبھرنے والی اور تیزی سے پھیلنے والی ہندو تہذیب کے مسلم معاشرہ میں رائج اور مقبول ہونے سے بچاسکتی ہے، جو (ایک خاص دیومالائی نظام رکھنے اور اسلامی بنیادی عقائد سے متصادم ہونے کی بناپر) زیادہ خطرناک ہے تو وہ ہماری ان بہنوں اور مسلمان خواتین کی صحیح دینی تعلیم، ایمانی و دینی تربیت، اور اسلامی اخلاق و سیرت کو دوسرے قوموں کے اخلاق و سیرت پر ترجیح دینے ہی سے ممکن ہے۔

یہ حقیقت طبقۂ نسواں میں دینی تعلیم و اسلامی تربیت کے انتظام کی ضرورت کی ایک اہم وجہ و محرک ہے، ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ مدارسِ نسواں اور جامعۃ الصالحات، یا جامعہ نور الاسلام کے ناموں سے جو زنانہ دینی مدارس اور جامعات قائم ہو رہے ہیں، وہ ان مقاصد کے حصول کے لئے ایک مؤثر و دانش مندانہ اور تعمیری قدم ہے جس سے تہذیبی ارتداد (اور اس سے بڑھ کر نئی نسل کے اعتقادی انقلاب سے) مسلمانوں کی نئی نسل کو بچایا جاسکتا ہے، اور اس کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت پیدا کی جاسکتی ہے، اور اگر اس مخلصانہ اور دانش مندانہ کوشش کا سلسلہ جاری رہا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرتِ غیبی کی اُمید بھی کی جاسکتی ہے۔ وصدق اللہ العظیم۔

إِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ (سورۃ محمد – ۷)

(اے مسلمانو) اگر تم اللہ کے دین کی نصرت کروگے تو اللہ تمہاری نصرت (مدد) فرمائے گا، اور تمہارے قدموں کو جمادے گا۔

[1] ملاحظہ ہو کتب تاریخ و سیرت۔

بقیہ: اسلام کی سادگی

اور مجھے سمجھایا کہ اسلام میں قومیت کی تفریق کی گنجائش نہیں ہے۔ پرہیزگاری اور نیکی ہی عربی اور غیر عربی میں یا اس کے برعکس قومیت کا معیار ہے۔

ابراہیم نے مزید کہا۔ اس بلند و بالا معیار اور اصول نے مجھے مجبور کیا کہ اسلام کے بارے میں مزید معلومات حاصل کروں تو میں نے نماز سیکھی اور مجھے محسوس ہوا کہ نمازی کی حرکات و سکنات میں انتہائی خشوع و خضوع ہے جس کے ذریعہ مسلمان پانچ وقت اپنے خدا کے سامنے خود پیش ہوتا ہے اور اس کے سامنے بندگی سے جھکتا اور کھڑا ہوتا ہے پھر تو میں اس دین کے بارے میں اپنے ہر ساتھی اور دوست سے زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے لگا اور آخر میں اسلامی کتابوں کے انگریزی ترجمے سے میں نے استفادہ کیا۔

میرا آخری سوال ساتھیوں سے صرف مسلمان ہونے کے اعلان کے بارے میں تھا کہ اس کا کیا طریقہ ہے؟ اس طرح میں جج کے سامنے پیش ہوگیا اور اسلام قبول کرنے کا میں نے اعلان کردیا۔ خالد محمد لالہ من قبل دسن بعد۔

مجھے امید ہے کہ آپ اسلام سے پہلے کی میری زندگی کے بارے میں سوال نہ کریں گے کیونکہ وہ زمانہ میرے لئے انتہائی تکلیف دہ ہے اس کی یاد سے بھی مجھے کوفت ہوتی ہے اور میں اس کو بھلانا چاہتا ہوں گویا کہ وہ تھا ہی نہیں۔

خدا کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلام سے پہلے کے گناہ اسلام قبول کرنے کے بعد معاف کردیتا ہے مجھے خدا سے اپنی مغفرت کی امید ہے۔

ابراہیم نے اپنی گفتگو ختم کرتے ہوئے کہا ہندوستان واپس جانے کے بعد میں اپنا پورا وقت اسی سچے دین کی اشاعت میں صرف کروں گا اور یہاں سعودیہ میں اپنے ہندو اور عیسائی بھائیوں کو بھی سچے دین کی دعوت دینے کی بھرپور کوشش کروں گا تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے جیسے اس نے مجھے ہدایت دی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ میں نے اپنے خاندان کی مخالفت کا سامنا بھی کیا میں نے ان کے سامنے دین اسلام کی حقانیت اور حسن سلوک کو روشن کیا تو وہ سب خاموش ہوگئے۔

بشکریہ الامۃ الاسلامیہ
(سعودی عربیہ)

مردِ مومن اور علامہ اقبالؒ

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

ترجمہ:۔ جمیل احمد عباس

شاعرِ مشرق ڈاکٹر علامہ اقبال علیہ الرحمۃ اپنے معاصرین میں چوٹی کے شاعر شمار کئے جاتے ہیں، وہ فکر و خیال اور فلسفہ و فن کے اندر بلند مقام پر فائز ہیں، دنیا میں مردِ مومن کے مقام و مرتبہ اور انسانی زندگی کے سلسلہ میں انکی آراء پختہ اور نظر بڑی گہری ہے۔ انکے کلام میں ایسی قوت اور اثر انگیزی ہے کہ ہر پڑھنے اور سننے والے کے دل میں اتر جاتا ہے، امتِ مسلمہ اور عالم اسلام کے سلسلہ میں انکے افکار و تخیلات بڑے قیمتی اور عظیم الشان اہمیت کے حامل ہیں، بلند و وسیع فکر، بلا کی ذہانت اور مطالعہ کی گہرائی انکی زندگی کے عناصر تھے، جسے انہوں نے مشرق و مغرب کے مختلف حلقوں اور معاشرہ میں رہ کر گزاری تھی اور قدیم و جدید فلسفہ و تمدن اور مختلف اقوام و ملل کے رجحانات پر ریسرچ کیا تھا،

اقبالؒ نے پسماندہ اور بچھڑی ہوئی امتوں کے زوال و ادبار کو دیکھا، ان میں وہ قوم بھی تھی جس کی عہد رفتہ میں تاباں و درخشاں تاریخ تھی اور جن کا ستارہ عزت و شرف بام عروج پر تھا۔

ڈاکٹر اقبال نے زمین اور اسکی پستیوں پر نگاہ ڈالی، انہوں نے آفاق میں گم ہوکر مردِ مومن کے مقام کی تلاش و جستجو کی بالآخر انہیں نظر آیا کہ مردِ مومن کا مقام اس وسیع کائنات میں بہت بلند و بالا ہے، اس زمین کی پستیوں میں اس کا مقام نہیں ہے، اقبال کے نزدیک مردِ مومن کو رنگ و نسل اور قوم و وطن کی حدود میں بند نہیں کیا جاسکتا انکی نظر میں ایک مومن کی پہچان یہ ہے کہ آفاق اس میں گم ہو اور وہ زمان و مکاں کی حدود سے متجاوز ہو۔ ؎

اسکی زمیں بے حدود اسکا افق بے ثغور

کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ایک غیور مومن کی بلند ہمتی ان چند کلیوں پر راضی نہیں ہوگی، اس لئے وہ مردِ مومن سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ؎

جہاں تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے
کبھی وہ انکو عقاب تیز دیتے ہیں تو کبھی شاہین سے
نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

وہ اسے پسند نہیں کرتے کہ مردِ مومن کی جولانگاہ انہیں میدانوں میں سمٹ کر رہ جائے جنمیں آج کا انسان محدود ہے، وہ ہر دم اسے پر دم اور بیدار ہمت دیکھنا چاہتے ہیں انکی نگاہ متجسس میں مومن وہ ہے جو ہر میدان میں پیش پیش اور ہر دم رواں پیہم دواں ہو۔

علامہ کو اس بات پر بے حد افسوس ہے کہ آج مردِ مومن پستی کی اس حد کو جا لیا ہے جو کبھی بھی اس کے شایاں نہیں تھی، کیونکہ مردِ مومن زندہ جاوید ہے وہ اپنے پاس ایک زندہ جاوید پیغام رکھتا ہے، اسکے سینے میں ایک زندہ جاوید امانت ہے اور اس کی زندگی ایک زندہ جاوید مقصد کے لئے بسر ہوتی ہے۔ خالق کائنات نے اس کا انتخاب اپنے پیغام کے لئے کیا ہے، دنیا میں بسنے والے تمام انسانوں کے واسطے یہ پیغام ایک ہمہ گیر ہدایت، اخلاقی تربیت اور امت کی قیادت کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ خدا نے مردِ مومن کو انسانیت کا امام اور اس روئے زمین کا خلیفہ مقرر کیا ہے وہ اہل زمیں کے لئے رافت و رحمت کا اور امن و سلامتی کا معلم ہے اور ان کو اس خطرہ سے آگاہ کرنے والا ہے جس میں بیک وقت دنیا اور انسانیت دونوں کی ہلاکت و ضلالت ہے۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ مردِ مومن دنیا کی امامت اور امت کی قیادت و سیادت کے واسطے پیدا کیا گیا ہے اسکے لئے عالم کی قیادت ہی زیبا ہے اور ساری مخلوق اس کی تابع فرمان ہے، مسلمان اس سلسلے میں اپنے پروردگار کے حکم کا تابع و مطیع ہے وہ خدا کی اجازت کے بغیر کوئی فیصلہ صادر نہیں کرتا وہ ہمیشہ حق و بھلائی کی راہ پر گامزن رہتا ہے اور وہ وہی کام کرتا ہے جس سے انسانیت کی فلاح وابستہ ہو۔

کافر تو حالات و مصائب اور حوادث کے سامنے سر جھکا دیتا ہے اور قضا و قدر کا عذر پیش کرنا اپنا شیوہ و شعار سمجھتا ہے، لیکن جب مومن خدا کے پیغام کو لے کر کھڑا ہوتا ہے اور ایمان و یقین سے اپنے اندر ایک نئی قوت و توانائی حاصل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مشیت قدرت اور قوت قاہرہ ہمیشہ اس کے ساتھ رہتی ہے۔

؎ کافر ہے تو ہے تابع تقدیر مسلماں
مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیر الٰہی

اس کے بڑھتے ہوئے قدموں کو نہ تو پہاڑ روک سکتے ہیں اور نہ سمندر اسکی راہ میں حائل ہوسکتا ہے۔

؎ ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کارکشا کارساز

مومن کے وجود سے کائنات کا وجود ہے ایک مومن پوری کائنات پر حاوی ہوتا ہے، وہ لالہ و گل کی سرحدوں کا پابند نہیں ہوتا، وہ صدق و صفا کا علمبردار ہوتا ہے اسے مال و دولت اور جاہ و منصب اپنے دام فریب میں گرفتار نہیں کرسکتے، اسے اس پرفریب دنیا کے اسباب آرائش و زیبائش اپنی طرف مائل نہیں کرسکتے، ایک مردِ مومن کو اس کی ذمہ داریوں کی ادائیگی سے کوئی چیز غافل نہیں کرسکتی، وطنیت و قومیت اور نسل پابہ زنجیر نہیں کرسکتے،

اقبالؒ پورے یقین و اطمینان کیساتھ فرماتے ہیں کہ تمام مسلمان ایک خاندان ہیں وہ ایک ہی مقصد کی خاطر پیدا کئے گئے ہیں اور انسان کے مقام خلافت سے واقف کرنے کے لئے انہیں وجود بخشا ہے، وہ نیک اصولوں کی راہ میں ہر دم کوشاں رہتے ہیں، وہ ایک طاقت اور ایک دل ہیں، انکی مثال ایک جسم کی ہے اگر اس کے کسی عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو سارا بدن کراہتا ہے، اقبال کی نگاہ میں مردِ مومن سراپا عمل، چاق و چوبند صبر و شکیبائی کا پتلا، کشادہ قلبی اور پیہم و محبت کا دریا اور سرتاپا حرکت و قوت ہوتا ہے، ساری فضا اسکی کارگاہ عمل ہے نیل و فرات اسکے بحر کی موجیں ہیں اور دنیا اسکی قیادت کے زیر سایہ ہے۔

ڈاکٹر اقبالؒ اس شوق و امید میں بیتاب رہتے ہیں کہ مسلمان اپنی آرزوں کو بر لائیں وہ اس بھیانک خلا کو پُر کریں جو عملی میدان میں پیدا ہوگیا ہے وہ اپنے کلام میں مسلمانوں کو عظیم پیغام انسانی کے لئے پکارتے ہیں، اور انہیں یورپ کی مادیت سے ڈراتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: "میں نے یورپ کو بہت قریب سے دیکھا ہے اور اسکی گہرائیوں میں گھس کر اس کا جائزہ لیا، لیکن میں نے اس کے اندر گوہر نایاب اور گوہر آبدار نہیں پایا، لہٰذا تم اس سے بچو اور اس کی راہ پر مت چلو، آج نہیں تو کل اس کا زوال یقینی ہے

تم خوش اخلاق امت بنو اور اپنے اسلاف کے نقوش پا کی اتباع کرو، تم عمدہ اصولوں، پاکیزہ مقاصد اور بلند حوصلہ والی امت بنو،

علامہ اقبال ایک مسلمان کو اس نظر سے دیکھتے ہیں اور اسی کے مطابق اس سے امیدیں وابستہ کرتے ہیں، اس سلسلہ میں ان کے اشعار سراپا اشک رواں امنڈتے ہوئے جذبات اور روشن و زندہ فکر معلوم ہوتے ہیں، انہیں افکار سے ان کا دیوان آراستہ و مزین ہے اور یہی ایک مردِ مومن کی زاد راہ اور اس کی روحانی غذا ہے۔

ڈاکٹر اقبال کی یہ گونجتی ہوئی پکار اور پیہم صدا ایک ایسے بلند اسلامی معاشرہ کی تعمیر کے لئے ہے جسے صدیوں سے امت مسلمہ کی ہوا پرستی و دنیاداری نے بکھیر رکھا ہے، اقبالؒ کی نظر میں آج دنیا اسلامی قیادت کی سب سے زیادہ محتاج ہے اور اسی سے اس امن و سکون کی دولت نصیب ہوسکتی ہے، دنیا اس وقت روح کی متلاشی ہے، مادیت نے اس کی روح کو بگاڑ دیا ہے۔

؎ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف

مسلمان جو علمبردار پیغام الٰہی ہے، اس نے اپنا منصب چھوڑ دیا ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ پوری انسانیت شتر بے مہار ہوگئی۔

بقیہ: عالم اسلام

حاصل کی ہیں ایسی کامیابی انہیں ایک صدی میں بھی حاصل نہ ہوسکی تھی۔

گرچہ وہاں مسلمان کی آبادی تقریباً چار ملین ہے لیکن ایک چھوٹی سی جماعت (؟) علوم اسلامیہ سے آراستہ ہے بلغاریہ کے مسلمان مساجد کی مرمت سازی اور تعمیر جدید کے سلسلے میں از سر نو غور کر رہے ہیں اور سارے ملک میں بہت حد تک دینی بیداری بھی پیدا ہو رہی ہے انھیں پریشانی بھی درپیش ہے کیونکہ بلغاری باشندوں میں احساس عصبیت جاگ رہا ہے۔

لکھنؤ کے معروف عطریات
شمامۃ العنبر، زعفرانی حنا
مجموعہ وغیرہ
طلب فرمائیں
کارخانہ محمد سلیمان محمد یوسف
یوسف ... لکھنؤ

امیر المومنین

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عدالت کا مثالی فیصلہ

ڈاکٹر سید محمد اجتبا ندوی ——— صدر شعبہ عربی فارسی الہ آباد یونیورسٹی الہ آباد

دارالخلافہ کے انسپکٹر جنرل آف پولیس نے صبح سویرے امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی مجلس میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی، اس کے ہمراہ لوگوں کا ایک بڑا ہجوم تھا اور پولیس کے چار آدمی ایک شخص کو حراست میں لئے ہوئے تھے جس کے دونوں ہاتھ خون آلود تھے اور داہنے ہاتھ میں چھری تھی جس سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے، اور ان سب کے پیچھے ایک لاش تھی جو خون میں نہائی ہوئی تھی اور پولیس کے کچھ آدمی اٹھائے ہوئے لا رہے تھے، پورا مجمع زور زور سے قصاص کا مطالبہ کر رہا تھا، گرفتار شدہ شخص کے چہرہ کا رنگ زرد تھا، پیر لڑکھڑا رہے تھے، اور انتہائی بے چینی و پریشانی کے عالم میں تھا، جسم کانپ رہا، منظر حد درجہ خوفناک اور المناک تھا، جو دیکھتا ٹھہر جاتا، اور قاتل کے خلاف اپنے غم و غصہ کا اظہار کرتا، اور اس کو پھانسی دیئے جانے کا مطالبہ کرتا۔

امیر المومنین کی مجلس میں پہونچکر پولیس کے سربراہ نے بیان کیا کہ: امیر المومنین! ہم نے اس گرفتار شدہ شخص کو مقتول کے قریب اس حالت میں کھڑا ہوا دیکھا کہ اس کے ہاتھ کی چھری سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے، اور مقتول کے جسم سے خون بہہ رہا تھا اور وہ وفات پا چکا تھا، ہم نے اس جائے حادثہ پر اس شخص کے سوا کسی اور کو نہیں دیکھا، اس لئے ہمیں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں ہے کہ اس گرفتار شدہ شخص کے علاوہ کسی اور نے قتل کا ارتکاب کیا ہے، ہمیں ابتدائی تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ مقتول متوسط درجہ کا آدمی تھا، اور اس کی کسی سے دشمنی تھی اور نہ کسی سے کوئی مطالبہ تھا، وہ اپنے گھر جا رہا تھا، ممکن ہے کسی بات پر جو ہم معلوم نہ کر سکے اس شخص سے جھگڑا ہو گیا ہو، اور اس نے شدت غضب سے بے قابو ہوکر اس پر حملہ کر کے قتل کر دیا۔

امیر المومنین نے گرفتار کئے ہوئے ...... شخص سے دریافت کیا کیا تمہیں نے اس آدمی کو قتل کیا ہے اس نے قتل کا اعتراف کیا، مگر قتل اس کے اسباب، حالات اور تفصیلات کے بارے میں ایک لفظ نہ کہا بلکہ اس نے اپنا منہ بند کر لیا اور قتل کے اقرار کے سوا کوئی اور لفظ منہ سے نہ نکالا۔ امیر المومنین اور ان کی مجلس کے کچھ اعیان اور پولیس کے آدمیوں نے پوری جدوجہد کی کہ ملزم قتل کی تفصیلات بیان کرے اس نے اسے کیوں قتل کیا ہے مگر اس کی زبان خاموش رہی امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے ان ظاہری دلیلوں اور ملزم کے اعتراف کی بنا پر قصاص کے طور پر ملزم کو قتل کر دینے کا حکم دیا مگر کہا کہ اس وقت اسے جیل لے جاؤ، عصر کی نماز کے بعد اس فیصلہ پر عمل کیا جائے گا اور اسے مجمع عام میں قتل کر دیا جائے گا پولیس کے آدمی اس ملزم کو لے کر چلے ہی تھے کہ مجمع میں سے ایک شخص نکلا اور اس نے پولیس والوں کو ٹھہر جانے کے لئے کہا پھر امیر المومنین کی جانب بڑھا اور بلند آواز سے پکار کر کہا کہ "امیر المومنین قاتل یہ نہیں ہے یہ آدمی بالکل بے قصور ہے دراصل قتل میں نے کیا ہے"، مجمع نے اچانک یہ دعویٰ سن کر حیرت و تعجب سے نعرہ تکبیر بلند کیا، امیر المومنین نے اسے قریب آنے کا حکم دیا اور دعویٰ کی وضاحت چاہی، اس شخص نے انتہائی اطمینان کے ساتھ بہت ہی صاف لفظوں میں بیان دینا شروع کیا: "میں ایک مفلس اور غریب آدمی ہوں میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے، بھوک اور پریشانی نے جرم کی راہ سجھائی شیطان نے میرے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ یہ آدمی جو اتنے سویرے نکل کر جا رہا ہے لقیناً بڑی دولت لے کر جا رہا ہے

"اگر تم نے اسے اس سناٹے میں قتل کر دیا تو کسی کو سراغ نہ ملے گا۔ اور تم اس کے مال کو بآسانی حاصل کر کے اپنی بھوک پیاس مٹا لوگے اور اگلی زندگی آرام سے گذرے گی" اسی لالچ اور جوش جنون میں میں نے اپنا خنجر نکالا اور جیسے ہی مقتول اس کھنڈر میں داخل ہوا اس پر حملہ کر کے قتل کر دیا اس کے بعد جیسے ہی میں نے اس کے کپڑوں کی تلاشی لینے کا ارادہ کیا تھا کہ پولیس کی آہٹ محسوس کی، ڈرا کہ کہیں پکڑ نہ لیا جاؤں، تیزی کے ساتھ کھنڈر سے نکلا کہ میری نظر اس بے قصور آدمی پر پڑی میں کھنڈر کے ایک کونے میں چھپ گیا، پولیس کے آدمی پہونچ چکے تھے انھوں نے جائے واردات پر اس شخص کو دیکھ کر اسے گرفتار کر لیا اور میں نکل کر شور مچاتے اور چیختے چلاتے مجمع میں شامل ہو گیا جب آپ نے اس بے قصور آدمی سے قصاص لئے جانے کا فیصلہ فرمایا تو میں نے سوچا کہ میں دو آدمیوں کے قتل کا مرتکب ہو رہا ہوں اور اس طرح میرے سر دوہرا گناہ ہوگا۔ اس لئے حق کا اعتراف کر لیا، میں ہی اصل قاتل ہوں۔ یہ شخص بے گناہ ہے" امیر المومنین نے پہلے ملزم کو طلب کیا اور پوچھا کہ تم نے جھوٹا اقرار کیوں کیا تو اس نے بیان کیا: "امیر المومنین میں قصاب ہوں، صبح اندھیرے میں اپنی دوکان آیا، ایک گائے ذبح کی اور اس کی کھال اتارنے لگا کہ مجھے استنجا کی حاجت محسوس ہوئی، میں اسی حالت میں ہاتھ میں چھری لئے ہوئے قریبی کھنڈر میں آیا اپنی حاجت پوری کی اور دوکان واپس جانے کے لئے مڑا اچانک میری نظر ایک شخص پر پڑی جو خون میں ڈوبا ہوا تھا، میں یہ منظر دیکھ کر بوکھلا گیا اور اسے غور سے دیکھنے لگا خون آلود چھری میرے ہاتھ میں تھی، اسی عالم میں پولیس داخل ہوئی مجھے اس وقت احساس ہوا جب اس نے مجھے گرفتار کر لیا اور لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ یہی مجرم ہے، یہی قاتل ہے اور کوئی نہیں مجھے یقین ہو گیا کہ اب میں بچ نہیں سکتا اور میری بات کا کوئی یقین نہ کرے گا اس لئے میں نے قتل کا اعتراف کر لیا" امیر المومنین حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ایک غلط بات کو تم نے تسلیم کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا کہ امیر المومنین! میں مجبور تھا، پولیس نے مقتول کے پاس مجھے اس حال میں دیکھا تھا کہ اس کے جسم سے خون بہہ رہا تھا اور میرے ہاتھ میں خون آلود چھری تھی اور میرے علاوہ وہاں کوئی نہیں تھا، مجھے یقین ہو گیا کہ میری کسی بات کا وزن نہ ہوگا چنانچہ میں نے اعتراف کر لیا اور اللہ تعالیٰ سے پناہ و حفاظت اور اجر و ثواب کا خواستگار رہا" اب امیر المومنین کے سامنے دو اشخاص تھے اور دونوں نے قتل کا اعتراف کیا تھا معاملہ نازک اور غور طلب تھا، مجلس میں نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے اور والد محترم سے عدالت و قضا کے سلسلہ میں استفادہ کر رہے تھے امیر المومنین حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ سے اس سلسلہ میں ان کی رائے دریافت کی، آپ نے تھوڑی دیر سوچا پھر عرض کیا: "امیر المومنین! اس دوسرے شخص نے اگرچہ ایک آدمی کو قتل کیا مگر اپنے اعتراف سے دوسرے ایک آدمی کی جان بچائی ہے، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: "ومن أحياها فكأنما أحيا الناس جميعاً" جس شخص نے ایک نفس کو زندہ کیا گویا کہ اس نے تمام انسانوں کو زندگی عطا کی" میری رائے ہے کہ دونوں کو بری قرار دیا جائے" امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت حسن کی اس رائے سے اتفاق کیا اور اس کی توثیق کر کے دونوں آدمیوں کو رہا کر دیا اور بیت المال سے مقتول کی دیت ادا کر دی۔

حج عالمگیر تعارف و تعاون کا مظہر

(جگہ اور تاریخیں خدا کی طرف سے مقرر)

مولانا حبیب ریحان ندوی ازہری

تیسرے عالمی حج سیمینار منعقدہ حیدرآباد ۱۱۔۱۲ مئی ۱۹۹۱ء کے لئے لکھے گئے طویل مضمون کا ایک ورق ...

یوں تو حج کے بے شمار منافع ہیں راقم یہاں ایک عظیم فائدہ کی طرف مختصر اشارہ کرنا چاہتا ہے وہ یہ کہ حج عالمی تعارف و تعاون کا سب سے بڑا اجتماع یا یوں کہئے کہ سب سے زیادہ نادر خصوصیات کی حامل عالمگیر کانفرنس ہے۔ کانفرنس کے لفظ سے یہ دھوکا نہ ہو کہ حج ایک روحانی سفر نہیں ہے یا یہ کہ یہ ایک فریضۂ محکمہ کی ادائیگی نہیں ہے۔ کیونکہ حج فرض کرنے والے خالق و مالک نے حج کے منافع میں حاضری اور ان کے مشاہدہ کا حکم دیا ہے، اور خدا نے جو بھی فرائض دین اسلام میں مقرر کئے ہیں ان کی حکمتیں اور فائدے ہیں اور اطاعت کاملہ کے ساتھ ان کی ادائیگی سے امت کو روحانی و مادی و اجتماعی و اقتصادی و سماجی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

حج کو ارکان اسلام میں داخل کیا گیا ہے جہاں تمام عالم کے موحد اور حق پرست جمع ہوتے ہیں اور ہر اجتماع میں کچھ نہ کچھ فائدے ہوتے ہیں حج کے اسی عظیم الشان اور عالمی اجتماع کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس وجہ سے مکہ مکرمہ میں دنیا کے تمام علاقوں کے مسلمان جسم و روح کی سرمستیوں کے ساتھ اس طرح آتے ہیں جس طرح لوہے کے ذرات مقناطیس کی کشش سے کھنچ کر چلے آتے ہیں اور اس طرح روحانی فوائد اور فریضہ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ یہ اہل اسلام کے تعارف اور اقتصادی، اجتماعی، سیاسی، حربی اور جملہ امور میں تعاون کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

عظیم خلفائے اسلام کے زمانے میں حج کے موقع پر تمام صوبوں کے گورنر اور اسلامی دنیا کے باشندے آتے تھے جو اپنے اپنے علاقوں کی مشکلات کا اظہار کرتے تھے، ظالموں کی شکایت کرتے تھے، منصف اور خدا ترس والیوں کی تعریف کرتے تھے، ضروریات کی فہرست پیش کرتے تھے، حدود اسلامیہ پر دشمنان اسلام کی مخالف کارروائیوں کی نشاندہی کرتے تھے، باغیوں اور اسلامی قوت و وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش کرنے والے فسادیوں کی اطلاع دیتے تھے اور خلیفۂ معظم ان تمام حالات کو سن کر، دیکھ کر اور صحیح صورت حال معلوم کر کے، اہل خرد اور اصحاب شوریٰ سے مشورہ کر کے احکامات صادر کرتا تھا اور سال بھر کے لئے نئے عزم و حوصلے اور نئے پلان اور پروگرام کے ساتھ لوگ یہاں سے واپس جاتے تھے، خدا کی کبریائی کا اقرار کرتے ہوئے، شرک سے تبری کا اعلان کرتے ہوئے، احکام الٰہی کی بجا آوری کا عزم کرتے ہوئے، وحدت اسلامی کی بقا کا عہد کرتے ہوئے، خلیفۂ اسلامی اور منصفانہ احکام کی اطاعت کا دم بھرتے ہوئے۔

آج بھی حج اہل ایمان کے تعارف کا سب سے بڑا مظہر ہے اور جملہ دینی و دنیوی امور میں تعاون کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، مسلمانوں کے تعارف اور عالمی بہبود کے لئے اس عالمی اجتماع کو خدا نے مقرر کیا ہے جو قیامت تک ہوتا رہے گا، اس کی جگہ، اس کی تاریخیں اور اس کے جملہ امور مشیت الٰہی نے اپنی طرف سے مقرر کر دیئے ہیں جس میں مرور زمانہ سے یا عصری تقاضوں کی رو سے کسی فرد بشر کو من مانی تبدیلی کا اختیار نہیں ہے نہ اس میں تاخیر ممکن ہے نہ جلد بازی درست ہے، اس کی مختصر حکمتوں پر جب غور کیا جاتا ہے تو عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔

جگہ کا انتخاب خدا نے کیا

کسی بھی اجتماع یا کانفرنس منعقد ہونے کے لئے عجیب و غریب پریشانیوں سے دنیا دوچار ہوتی ہے سب سے پہلے تو یہ مسئلہ پیش آتا ہے کہ یہ کانفرنس کہاں ہو، محلہ وار اور صوبہ و ملک کے پیمانہ پر اختلاف کا بہت بڑا سبب اس جگہ کا تعین ہوتا ہے، کوئی ملک اس کو اپنے تفوق کا سبب سمجھتا ہے کوئی اس کو اپنے وقار کا مسئلہ بنا لیتا ہے، کوئی کانفرنس میں شریک ہونے سے اس بنا پر انکار کر دیتا ہے کہ یہ فلاں ملک میں ہو رہی ہے، طرح طرح کی مشکلات پر قابو پانے کے لئے کثرت آراء کا سہارا لینا پڑتا ہے، کبھی قرعۂ فال نکالنا پڑتا ہے کہیں اقتصادی مجبوریاں حائل ہو جاتی ہیں اور مالدار ملک اس طرح اپنا اثر و نفوذ قائم کر لیتے ہیں وغیرہ پھر بھی ظاہری مشکلات اور دل کی کدورتیں حل نہیں ہوتیں اور لوگ بہرحال کبھی بجبر و اکراہ اور کبھی بربنائے مصلحت اسے مان لیتے ہیں اور یہ کہنا پڑے گا کہ آخرکار انسانی اجتماع کے لئے انسانوں ہی کی بات ماننی پڑتی ہے۔

ان حالات و مشکلات کی روشنی میں اب حج کی جگہ کے دائمی تعین اور اس کی حکمت پر نظر کیجئے، حج مکہ و کعبہ، عرفات اور مقامات مقررہ پر ہوتا رہے گا اور جگہ کا یہ تعین ایک دو سال کے لئے نہیں ہے بلکہ ابد اور قیامت تک اسی جگہ ہوگا، اس فیصلہ نہ فوجداری سے ہوا ہے نہ اکثریت سے نہ قرعہ سے بلکہ اس اجتماع کے داعی اور انسانوں کے خالق اور ان کی حکمتوں سے واقف ذات والاصفات نے کیا ہے جس کا لازمی اور فطری نتیجہ یہ ہوا کہ اس پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا اور یہ دل کی رضامندی کے ساتھ قبول کیا جاتا ہے۔ بالغرض عالم اسلامی کے کسی مقام پر کوئی سرپھرا باشندہ، یا ماڈرن نظریات کا پروردہ کوئی ملحد، یا قومیت و وطنیت کی لعنت سے متاثر کوئی خود فراموش یا آیات شیطانیہ جیسی ہذیانی کتاب کے شیطانی مولف کا کوئی بھانجہ بھتیجہ یہ تحریک چلائے کہ حج باری باری ہونا چاہئے کبھی قاہرہ میں اور کبھی دمشق یا کسی دوسری اسلامی ریاست کے پایہ تخت میں تو اس ہذیان کا جواب دینے کے لئے حجاز یا سرزمین حرم کے کسی عالم کی ضرورت نہیں پڑے گی بلکہ اسی ملک کے عالم و عوام و حکام اس آواز کا گلا گھونٹ دیں گے ... کیا اس سے بڑھ کر اس جگہ پر دلوں کی رضامندی کی کوئی دلیل ہو سکتی ہے۔ کیا دنیا کی کسی کانفرنس یا اجتماع میں جانے والے دل کی اس رضامندی کے ساتھ کہیں اور کبھی گئے ہیں؟ یا جا سکتے ہیں؟

ہر مسلمان حاضر ہو سکتا ہے

آج امریکہ میں اقوام متحدہ کا دفتر ہے لیکن اس پر ساری اقوام عالم نہ متحد ہیں اور نہ خوش ہیں اور امریکہ آزادی اور مساوات کا دعویٰ اس طرح کرتا ہے کہ اقوام متحدہ کے اجلاس میں شریک ہونے والے نمائندوں کو وہ روکتا نہیں بلکہ ہر حال میں ویزا دیتا ہے لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ بعض اوقات اس کے دعوے کو توڑا بھی گیا ہے لیکن اگر اس حقیقت کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ویزا عام حالات میں دیا جاتا ہے تو یہ حقیقت واضح ہے کہ ممالک عالم کے سرکاری وفود کو ویزا دیا جاتا ہے کیا ساری دنیا کے عوام کو امریکہ ویزا دے سکتا ہے؟ دنیا جانتی ہے کہ امریکہ کا ویزا ملنا بہت مشکل اور صبر آزما کام ہے پیدائش سے لیکر وفات سے پہلے تک کے تمام سوالات کا جواب جب تک نہ دیا جائے اور یہ ثابت نہ کیا جائے کہ آپ مجرم نہیں ہیں، ویزا نہیں مل سکتا، اس کی بہت سی وجہیں ہیں جن کو بیان کرنا خارج از بحث ہے لیکن حج اور عمرہ کے لئے کسی کو روکا نہیں جا سکتا ہر وقت اور ہر شخص کو اس کی اجازت دینی ہوگی پھر وزیروں اور سرکاری نمائندوں ہی کو صرف اجازت نہیں ملے گی بلکہ ہر ذات اور ہر برادری کے آدمی کو بشرط اقرار توحید و ربوبیت باری تعالیٰ اجازت دینی ہوگی، بلا شدید شرعی عذر اور مجبوری کے کسی کو داخلے سے روکنا عظیم گناہ ہے جو شریعت کی رو سے قابل مواخذہ جرم ہے۔

وقت اور تاریخ کی تحدید

جگہ کے بعد تاریخوں کا مسئلہ بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے کوئی چاہتا ہے کہ اجتماع گرمی میں ہو کوئی کہتا ہے کہ سردی میں ہو اس پر بحث مباحثہ و مجادلہ ہوتا ہے اور بہت وقت اور پیسہ برباد ہوتا ہے اور بڑی ذہنی توانائی صرف ہوتی ہے ایک ملک سے دوسرے ملک جانا پڑتا ہے وزراء و سفراء کے اجتماع ہوتے ہیں اور پھر تاریخیں بہرحال انسانی کاوش سے کوئی نہ کوئی ... [illegible]

انگریزوں نے ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کی تاریخ کو بگاڑ کر پیش کیا ہے

بشمبھر ناتھ پانڈے

انگریز مورخین کی تیار کردہ تاریخ سے ہندو مسلمانوں کے آپسی رشتے بری طرح متاثر ہوئے اس تاریخ میں مسلمان بادشاہوں کی ہندو مخالف تصویر پیش کی گئی حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے اس سلسلہ میں ممتاز مورخ، اڑیسہ کے سابق گورنر ممبر پارلیمنٹ بشمبھر ناتھ پانڈے سے قومی آواز کے نمائندے مسٹر ایس اے بلرامی نے تفصیلی گفتگو کی ہے گفتگو کے اہم اقتباسات یہاں پیش ہیں۔

• موجودہ ہندوستانی تاریخ کے بارے میں آپ کا کیا نظریہ ہے؟

پانڈے جی: ہمارے اسکولوں اور کالجوں میں طلباء کو جو تاریخ پڑھائی گئی وہ انگریز مورخین کی تیار کردہ تھی، انگریز مورخین کی گمراہ کن تاریخ نے ہندوستانیوں کے ذہن پر سیدھا اثر کیا اور سماجی زندگی زہر آلود ہوگئی۔ انھوں نے تاریخ کی بنیاد اختلافات پر رکھی اور ایسی تصویر پیش کی جس سے ہندو مسلمانوں کے آپسی رشتے متاثر ہوئے انھوں نے مذہب، تشدد اور فتح کو بنیاد بنا کر تاریخ مرتب کی، انھوں نے مسلمان بادشاہوں کو ہندو تہذیب اور مذہبی عبادت گاہوں کو برباد کرنے والوں کی شکل میں پیش کیا۔

• انگریز مورخین کی تصنیفات کا عام لوگوں پر کیا اثر پڑا؟

پانڈے جی: اس زہریلی تاریخ کا اثر یہ ہوا کہ ہندو اور مسلمان کے درمیان خلیج قائم ہوگئی، ہندوؤں کو یقین ہوگیا کہ اپنے ۸ سالہ دورِ اقتدار میں مسلمانوں نے ہندوؤں پر مظالم کئے تھے۔

• اس کا مطلب یہ ہوا کہ انگریز مورخین نے مسلم بادشاہوں کی گمراہ کن امیج پیش کی؟

پانڈے جی: یقیناً اگر ہم ہندوستان کی قدیم تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ مغل دورِ حکومت ہندوستان کا سنہری زمانہ تھا مغل حکمراں مسلمان ضرور تھے لیکن حکومت اسلامی نہیں تھی، حکومت کی کارروائی قرآن اور حدیث کی روشنی میں نہیں کی [illegible] قوانین تیار کئے جاتے تھے، یہ کہنا کہ مغل حکومت اسلامی اصولوں پر قائم تھی سراسر جھوٹ اور بے بنیاد بات ہے۔

اکثر مسلمان بادشاہوں نے تیرہویں صدی اور اس کے اوائل میں حکومت کو شریعت کے مطابق چلایا ان بادشاہوں میں التمش بلبن اور علاء الدین خلجی کے نام قابل ذکر ہیں۔ ہندوستان پر مسلمانوں نے سات سو سال تک حکومت کی لیکن انھوں نے اسلامی حکومت کا اعلان نہیں کیا، وہ رعایا کو ایک قوم کا درجہ دیتے تھے۔

• مسلم حکمرانوں کے کردار کو بدنام کرنے کے کیا ثبوت ہیں؟

پانڈے جی: جب میں ۱۹۲۸ء میں ٹیپو سلطان پر ریسرچ کر رہا تھا تو اینگلو بنگالی کالج اسٹوڈنٹ یونین کے چند ممبران نے مجھ سے رابطہ قائم کیا اور ایک مسئلہ پر اپنے خدشات کو دور کرنے کی درخواست کی۔

یونین ممبران اپنے ہمراہ چند نصابی کتابیں لائے تھے جن میں سے ایک کتاب میں تحریر تھا کہ ٹیپو سلطان کے عہد میں تین ہزار برہمنوں نے خودکشی کر لی تھی کیونکہ وہ انھیں جبراً مسلمان بنانا چاہتا تھا اس کتاب کے مصنف کلکتہ یونیورسٹی میں شعبہ سنسکرت کے سربراہ ڈاکٹر ہر پرشاد شاستری تھے میں نے ڈاکٹر شاستری کے نام ارسال کردہ اپنے خط میں معلوم کیا کہ انھیں یہ اطلاع کہاں سے دستیاب ہوئی، کئی خطوط کے جواب میں ڈاکٹر شاستری کا مراسلہ موصول ہوا جس [illegible]

میسور گزٹ سے حاصل ہوئی تھی میں نے اس پر میسور یونیورسٹی کے وائس چانسلر سر برجیندر ناتھ کو اس درخواست کے ساتھ خط لکھا کہ وہ اس معاملہ کی تصدیق کریں۔ جواب میں سر برجیندر ناتھ نے لکھا کہ میسور گزٹ میں اس قسم کی کوئی اطلاع کبھی شائع نہیں ہوئی ساتھ ہی انھوں نے یہ بھی تحریر کیا کہ وہ خود تاریخ کے طالب علم ہونے کی حیثیت سے ڈنکے کی چوٹ پر کہہ سکتے ہیں کہ ٹیپو کے دورِ حکومت میں کبھی اس قسم کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔

• مسلم حکمرانوں کے دورِ حکومت میں ہندو مذہب کی تبلیغ واشاعت کے سلسلے میں کوئی تبصرہ کریں گے؟

پانڈے جی: جب میں ۵۳-۱۹۴۸ء کے دوران الٰہ آباد سٹی بورڈ کا چیرمین تھا تو ایک داخل خارج کا معاملہ میری نظر سے گذرا، یہ ایک زمین سے متعلق معاملہ تھا جو مغل بادشاہ اورنگ زیب نے بطور عطیہ ایک مندر کو دی تھی اور ایک شخص نے اس کو چیلنج کیا تھا۔ میں پس و پیش میں تھا کہ کیا ایسا ممکن ہو سکتا ہے کہ جس بادشاہ نے مندروں کو گروایا ہو وہ کسی مندر کو پوجا اور بھوگ کے لئے زمین عطیہ میں دے۔

میرا یقین تھا کہ پجاری کے کاغذات جعلی ہیں لیکن کوئی فیصلہ کرنے سے قبل میں نے جملہ کاغذات عربی فارسی کے ماہر ڈاکٹر تیج بہادر سپرو کو ارسال کر دیئے اور کاغذات کی جانچ کرنے کی درخواست کی تو معلوم ہوا کہ کاغذات اصلی ہیں جعلی نہیں، میں نے ڈاکٹر سپرو کی ہدایت پر مشہور مندروں کے مہنتوں کو نوٹس بھیج کر اطلاعات طلب کیں کہ اگر ان کے پاس کوئی ایسا ثبوت موجود ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ اورنگ زیب نے مندروں کے نام جاگیریں عطیہ کی تھیں تو وہ اس کی فوٹو کاپی ارسال کریں۔

میری حیرت کی اس وقت کوئی انتہا نہ رہی جب میرے مذکورہ نوٹس کے جواب میں مہا بلیشور اجین، بالاجی چترکوٹ، امانند گوہاٹی، جین مندر سطرنجی، اور شمالی ہندوستان کے [illegible]

کے مہنتوں اور پجاریوں نے اورنگ زیب کے فرمان کی متعدد فوٹو کاپیاں میرے نام ارسال کیں۔ یہ فرمان ۱۰۶۵ اے ایچ (۱۶۵۹) سے ۱۰۹۱ اے ایچ (۱۶۸۵) کے دوران جاری کئے گئے تھے۔

• لیکن اورنگ زیب کی مندر گروانے والی امیج؟

پانڈے جی: گمراہ کن ہے۔ عوام کے روبرو وہ وجوہات ہی پیش نہیں کی گئیں جن کی بنا پر اورنگ زیب کو مندر گرانے جیسے سخت احکامات جاری کرنا پڑے، ان وجوہات کی بنا پر نہ صرف اس نے مندر گرانے کا فرمان جاری کیا بلکہ مساجد کو بھی نہیں بخشا اس کا ثبوت گولکنڈہ کی جامع مسجد ہے وارانسی کے وشوناتھ مندر کو گرانے سے متعلق فرمان کے پیچھے اہم وجہ تھی، وارانسی ہو کر بنگال جاتے وقت اورنگ زیب نے جب وارانسی میں قیام کیا تو ایک راجہ کی درخواست پر رانیاں گنگا اشنان کرنے کے بعد وشوناتھ مندر کے درشن کرنے گئی تھیں، تمام رانیاں درشن کر کے واپس آگئیں لیکن ایک رانی اسی دوران لاپتہ ہوگئی، اورنگ زیب نے جب رانی کو تلاش کرایا تو وہ مندر کے تہہ خانے سے برآمد ہوئی جس کے زیور لاپتہ تھے اس پر اورنگ زیب نے مندر کو گرانے اور مہنت کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ یہ فرمان کسی مندر کے خلاف نہیں بلکہ ایک حکمراں کا ملزمان کے خلاف فیصلہ تھا، کیونکہ اورنگ زیب مندروں کی بے حرمتی برداشت نہیں کرتا تھا۔

اسی طرح اورنگ زیب نے گولکنڈہ کی جامع مسجد کو شہید کرانے کا حکم جاری کیا تھا کیونکہ گولکنڈہ کے حاکم تاناشاہ نے غیر قانونی دولت مسجد کے صحن میں دفن کرا دی تھی جس سے مسجد کا تقدس پامال ہوگیا تھا۔

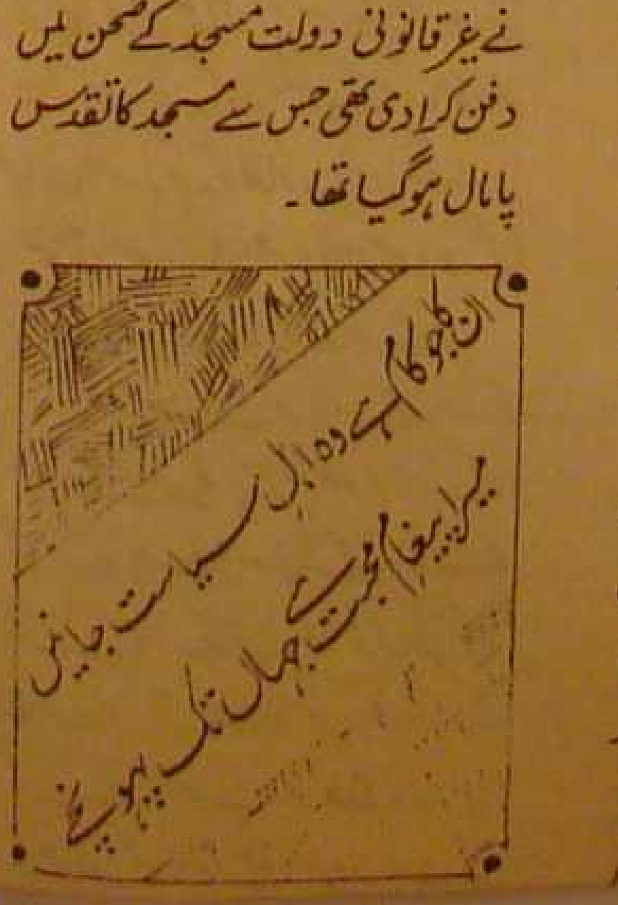

اسلامی مفکر وشاعر

عمر بہاء الدین الامیری کی وفات

اخوان المسلمین کے اہم رہنما بھی تھے

ریاض (سعودی عرب)

آج کل ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ٹیلی فون کے ذریعہ یہ اطلاع ملی کہ اسلامی دنیا کے ممتاز شاعر وادیب عمر بہاء الدین الامیری کا اسی سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔

عمر بہاء الدین الامیری کی طاقت شخصیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ عالم عربی کی مشہور دعوتی تحریک اخوان المسلمین کے رہنما شیخ حسن البنا کی شہادت کے بعد ان کے جانشین کی حیثیت سے جن تین لوگوں کا نام تجویز کیا گیا تھا ان میں عمر بہاء الدین الامیری کا نام سرِ فہرست تھا۔

عمر بہاء الامیری شام کے مشہور شہر حلب کے ایک ممتاز علمی ودینی اور نوابی خاندان سے تعلق رکھتے تھے ۱۹۵۰ء میں شام کی حکومت نے ان کو پاکستان میں سفیر کی حیثیت سے متعین کیا، جہاں مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا محمد ناظم ندویؒ، مولانا مسعود عالم ندویؒ اور جماعت اسلامی کے رہنما مولانا مودودیؒ سے ان کے گہرے روابط قائم ہوگئے، پاکستان میں انہوں نے اردو زبان اتنی سیکھ لی کہ علامہ اقبال کے کلام کا عربی شعر میں براہ راست ترجمہ کرنے لگے، ہندوستان آئے تو اردو میں تقریر کیا کرتے تھے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے ان کے گہرے تعلقات ۱۹۵۰ء سے قائم تھے جب مولانا کی نگرانی وصدارت میں رابطہ ادب اسلامی کا ابتدائی کا جلسہ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ہوا تو بڑے اہتمام سے عمر بہاء الامیری شریک ہوئے، پھر جب رابطہ ادب اسلامی کی تشکیل ہوئی تو اس کے رکن اور اس کے پیغام کے پرجوش داعی بن گئے۔

عمر بہاء الامیری ایک پرگو شاعر تھے۔ اب تک بیس دواوین چھپ کر مقبول ہو چکے ہیں۔ بعض کتابوں کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں، ان کا پہلا دیوان "مع اللہ" ہے اور آخری دیوان جس پر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا مقدمہ ہے "ریاحین الجنۃ" "جنت کے پھول" ابھی حال ہی میں چھپ کر شائع ہوگیا ہے، اس کتاب میں انہوں نے بیٹوں، پوتوں کے ساتھ والدین کو جو تعلق ہوتا ہے احساس کو فطری انداز میں بڑے موثر اور طاقتور اشعار میں ڈھال دیا ہے۔

عمر بہاء الامیری کی شاعری میں احساسات کی گہرائی جدت وندرت اور وجدانیت پائی جاتی ہے۔ حمد ومناجات کے موضوع کو انہوں نے خوبصورت، مؤثر اور اچھوتے اسلوب میں ایسے طاقتور ادبی قالب میں ڈھال دیا ہے کہ ادبی وشعری حلقوں نے اس میدان میں ان کی انفرادیت کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے، اسی بنا پر عالم عربی کی متعدد دانش گاہوں میں ان کی فکر وفن پر پی، ایچ، ڈی کی ڈگریاں لوگوں نے حاصل کیں۔

عمر بہاء الامیری عرصہ سے مراکش کی مشہور دانش گاہ دار العلوم الحسنیہ میں پروفیسر کی حیثیت سے کام کر رہے تھے وہاں کے طلباء علمی وادبی رہنمائی کرتے، اس کے علاوہ اسلامی دنیا کی مختلف دانش گاہوں میں اسلامی شعر وادب پر لکچر بھی دیا کرتے تھے، اسلامی ادب کی حمایت اور دفاع میں ہمیشہ سینہ سپر رہا کرتے اور اسلامی غیرت وحمیت کا کھل کر اظہار کرتے

رابطہ ادب اسلامی کی مقامی شاخ کے ارکان نے عمر بہاء الامیری کی وفات پر اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا ہے اور ان کی وفات کو عربی واسلامی ادب کا غیر معمولی قرار دیا ہے۔

مرحوم کو عرصے سے قلب کی تکلیف تھی جب تکلیف بڑھ گئی تو مراکش سے ریاض ↑ لائے گئے جہاں ان کے بیٹے ڈاکٹر احمد براء الامیری موجود تھے، فوری طبی امداد بہم پہنچائی گئی، لیکن ان کا آخری وقت آچکا تھا۔

رابطہ ادب اسلامی کے سکریٹری جنرل مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی صدارت میں ایک تعزیتی جلسہ منعقد ہوا اور مرحوم کے لئے ایصال ثواب کیا گیا۔۔۔

اسلام کی سادگی اور معاملات میں صفائی نے مجھے متاثر کیا

ترجمہ مولانا محبوب الرحمن ازہری

ابراہیم چنا سوامی نے حائل (سعودیہ عربیہ) میں محکمہ شرعیہ (مذہبی عدالت) میں اسلام قبول کرنے کے بعد اخبار "الامۃ الاسلامیہ" کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا:

میں صرف اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اسی کے لئے سب تعریف ہے جس نے مجھے صحیح اور سیدھے راستہ کی ہدایت دی حالانکہ میں گمراہی میں ڈوبا ہوا ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ اور اپنی پیدائش سے پوری زندگی ایسے ہی گزار رہا تھا۔

پھر انھوں نے اپنے مسلمان ہونے کے قصے کو بیان کرتے ہوئے کہا۔ میں ہندوستان میں ایک ہندو خاندان میں پیدا ہوا تھا اور ہندو ازم میں ایک روحانی خلا محسوس کرتا تھا۔ کیونکہ ہندو ازم کی بنیاد جن اصولوں پر ہے وہ کسی بچے کو بھی مطمئن نہیں کر سکتے ہیں تو مجھے جوانی میں کیسے مطمئن کر سکتے عقل وشعور کے دور میں تو بالکل ناقابل اطمینان ہیں۔

اسی لئے میں مندر میں اپنے خاندان کے ساتھ جانے سے بچتا تھا اور مختلف جھوٹے عذر کر دیتا تھا جس سے کمتری اور گھٹن کے احساس کو دبانے کی کوشش کرتا تھا۔ جب میں اس پجاری کے سامنے کھڑا ہوتا جو اپنے سامنے کھڑے ہوئے لوگوں سے اپنی خدائیت کا اظہار کرتا جیسے کہ وہی مالک کل اور با اختیار ہے اور اس کے سامنے کھڑے لوگ سب اس کے ہی بندے ہیں اور مزعومہ برکت حاصل کرنے کے لئے اس کی خدمت کرتے ہیں۔ اور تحفے پیش کرتے ہیں اور ساتھ ہی اس کی اطاعت پر مجبور ہیں۔

میں اپنی روحانی خلا میں مبتلا سکون کی تلاش میں بدھ مذہب کی کتابوں کا مطالعہ کرنے لگا۔ اور عیسائیت پر بھی غور کرنے لگا۔ اس میں بھی مجھے وہ ذاتی اور روحانی سکون نہ مل سکا جس کی مجھے تلاش تھی میری تلاش سکون بدھ ازم میں ویسے ہی ہے جیسی کہ ہندو مت میں اور اس پر مزید یہ کہ میرا خاندان میرے خلاف صف آرا ہو جائے گا جس کی کوئی معقول وجہ سامنے نہیں تھی۔

اس کے بعد ابراہیم چنا سوامی اسلام کے بارے میں ابتدائی معرفت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: الحمد للہ مجھے اللہ کی توفیق سے اس مبارک علاقہ میں کام کرنے کا موقع ملا۔ اور یہاں پہونچتے ہی میں نے اسلام کو سمجھنے کی کوشش شروع کی۔ اسلام کی سادگی اور معاملات میں صفائی نے مجھے متاثر کیا میں نے محسوس کیا کہ مسلمانوں کا سلوک میرے ساتھ بالکل مساویانہ ہے جب کہ میں تنہا ان کے درمیان اپنی ہندو ازم پر کھلم کھلا قائم ہوں مثال کے طور پر بدھسٹ ہر ہندو کو جوان کے ملک میں رہ با گزارے اس کو ایذا پہنچانے کے موقع سے نہیں چوکتے خاص کر ایسی جھگڑوں کے وقت تو ہندو کو ایذا رسانی ایک دینی فریضہ تصور کرتے ہیں۔

میں سوچتا تھا اور غور کرتا تھا کہ کیا ہر مسلمان اس قتل وغارت گری سے واقف نہیں جو ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ ہندوستان میں آئے دن ہوتی رہتی ہے۔ خاص طور پر بابری مسجد کے معاملہ میں جو روز روشن کی طرح واضح ہے؟ روز میرے ساتھ انسانیت کے اس نرم پہلو سے سلوک کر رہے ہیں؟ میں نے اپنے ایک مسلمان ساتھی سے اس بارے میں دریافت کیا تو اس نے جواب میں کہا کہ اسلام ظلم کے بدلے میں بے گناہوں سے بدلا نہیں لیتا۔ ہر شخص اپنے ذاتی اعمال کا ذمہ دار ہے اور اللہ تعالیٰ اسی کے اعمال کا محاسبہ کرے گا۔

(باقی صفحہ ۷ پر)

حضرت مولانا محمد مسعود شمیم صاحبؒ ناظم و مہتمم دار العلوم حرم مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ کا حادثۂ وفات

حضرت کی ولادت باسعادت بدھ کے دن بعد فجر بتاریخ ۵ر صفر ۱۳۴۹ھ مطابق ۲ر جولائی ۱۹۳۰ء بمقام کیرانہ ضلع مظفر نگر یوپی اپنے آبائی وجدی مکان میں ہوئی۔ دادا معظم حضرت مولانا محمد سعید صاحب ناظم اول دار العلوم حرم مدرسہ صولتیہ کی تربیت میسر آئی۔ ان کی خدمت میں ابتدائی تعلیم کا آغاز ہوا۔ قرآن کریم، فارسی اور اردو کی اولین کتابیں دادا مرحوم سے ہی پڑھیں۔ عمر جب تقریباً آٹھ سال کی ہوئی تو مشفق دادا اور مربی اور معلم اول مولانا محمد سعید کے ۷ر ذلیقعدہ ۱۳۵۷ھ مطابق ۹ر جنوری ۱۹۳۹ء کو انتقال پر ملال نے بہت گہرا، شدید اور غمگین اثر چھوڑا، والدہ محترمہ کاندھلہ کے جناب حکیم عبد الحمید صاحب مرحوم کی دختر نیک تھیں تو اپنے غمزدہ فرزند کو کاندھلہ لے آئیں۔ اس زمانہ میں والد محترم مولانا محمد سلیم صاحب مکہ معظمہ میں رہ کر دار العلوم حرم مدرسہ صولتیہ کے نائب ناظم کے فرائض انجام دے رہے تھے، کاندھلہ آ کر اسکول میں داخلہ لے کر تعلیم کا آغاز کیا اور بعض اہل خاندان کے افراد سے بھی استفادہ کیا۔ والد محترم نے ۱۹۳۹ء میں دہلی قرولباغ میں مدرسہ صولتیہ کے تعارف کیلئے صدر دفتر کے نام سے امدادی مرکز کا آغاز فرمایا یہاں بھی اپنے والد سے استفادہ کا طویل وقت حصہ میں آیا اور باقاعدہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے منسلک ہو کر اعلیٰ تعلیم کی ابتدا کی۔

۱۳۶۴ھ مطابق ۱۹۴۱ء کو مولانا محمد سلیم صاحبؒ خاندان کے متعدد افراد کو لیکر حجاز مقدس پہنچے چنانچہ مولانا محمد مسعود شمیمؒ نے یہاں ایک نیا ماحول اور نیا انداز پایا۔ والد نے ان کو مدرسہ صولتیہ کے شعبہ ثانوی میں داخل کرایا، چھ سال کے بعد ۱۳۷۰ھ میں مدرسہ کے شعبہ عالی سے فراغت حاصل کی اور ۱۳۷۱ھ میں سند فراغت نصیب ہوئی۔ آپ نے اس دوران مدرسہ کے مروجہ اور معتمد نصاب تعلیم کی اہم و اعلیٰ بلکہ تمام درسی کتب "جو دینی علوم اور شرعی کتابوں پر مشتمل تھا" حاصل کیں۔ اساتذہ میں فضلاء مکہ معظمہ، علماء صولتیہ، بزرگان حرم اور یادگار اسلاف کا شمار ہوتا ہے۔ جن میں علامہ شیخ حسن مشاط محدث، علامہ شیخ عمر حمدان المحرسی محدث، علامہ فقیہ شیخ عصمت اللہ بخاری، علامہ شیخ مختار مخدوم بخاری، علامہ شیخ زکریا عبد اللہ بیلا، علامہ شیخ علی بکر کنوی، علامہ سید ہاشم سطامی وغیرہ حضرات ہیں۔ مدرسہ سے فراغت کے بعد والد محترم نے مدرسہ ہی میں مدرسی پر مامور فرمایا چنانچہ مختلف علوم و فنون کی متعدد کتابیں پڑھائیں۔ شائقین طلبہ کو خارجی اوقات میں اردو فارسی اور انگریزی کی تعلیم بھی دیا کرتے تھے جو داخل نصاب نہیں تھی، ساتھ ہی ساتھ والد محترمؒ کی معاونت، انابت اور انتظامی و اہتمامی امور و مشاغل میں بھی مصروف رہے چنانچہ والد محترمؒ اور قدیم اہل مدرسہ و ذمہ داران دفتر کی سرپرستی اور معیت بلکہ تربیت حاصل رہی۔ اسی زمانہ میں مدرسہ صولتیہ پر بہت شدید وقت آیا اور بہت عظیم امتحان سے مدرسہ والے گذرے۔ مولانا محمد سلیم صاحبؒ نے بڑی جانفشانی، قوت و عزم، محنت اور صبر سے مقابلہ کیا کچھ عرصہ یہی سلسلہ درس و تدریس کا چلتا رہا، پھر رک گیا اور دفتری امور و مشاغل اور سرکاری ذمہ داریوں نے گھیر لیا اور آپ باقاعدہ نائب مہتمم کی ذمہ داریاں سنبھالنے لگے ۱۳۸۲ھ میں آپ کو مدرسہ کا اور اوقاف مدرسہ کا شرعی متولی اور ناظم بنایا گیا۔

۱۳۸۴ھ مطابق ۱۹۶۴ء میں مرحوم حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلوی امیر جماعت تبلیغ کے ہمراہ سفر ہندوستان کیا۔ اس کے بعد پاک و ہند کے متعدد اسفار ہوئے ۱۳۹۵ھ، ۱۹۷۵ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کی پچاسی سالہ تقریب میں بھی شرکت کی، ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء میں دار العلوم دیوبند کی صد سالہ تقریب میں بھی شرکت فرمائی۔ ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۹ء میں ہندوستان و پاکستان کا ایک اور سفر کیا، ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء میں دہلی میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب مرحوم کیرانوی کی صد سالہ وفات کی تقریب میں ایک سیمینار منعقد کرایا۔ ۱۳۷۱ھ سے ۱۳۹۵ھ تک یہ پورا عرصہ والد محترم کی نگرانی اور تربیت میں گذرا جس کی مدت چھبیس سال ہے۔ ۳ر شعبان المعظم ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۸ر جولائی ۱۹۷۶ء بروز دوشنبہ والد بزرگوار مولانا محمد سلیم صاحبؒ نے اہل مدرسہ و ملت اسلامیہ کو داغ مفارقت دیا۔ تو مولانا محمد مسعود شمیمؒ نے دار العلوم حرم مدرسہ صولتیہ کے اہتمام و انتظام کا عظیم بار سنبھالا۔ اور آپ مدرسہ صولتیہ کے ناظم و مہتمم کہلائے جانے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی توفیق اور مدد شامل حال رکھی، غیبی نصرت و تائید الٰہی نے ساتھ دیا۔ اسلاف کی برکتوں کا اثر پڑا، بزرگان دین اور اولیا و صالحین کی دعائیں شامل حال رہیں اور مولانا مدرسہ کی خدمات کو آگے کی طرف لے کر چلنے لگے۔ ان کے زمانۂ اہتمام میں مدرسہ میں متعدد اور مختلف اداری و مالیاتی و تعلیمی و اشاعتی سرگرمیوں کو ترقی ہوئی دفتر مدرسہ کی متعدد خدمات میں اضافہ ہوا۔ موسم حج میں ہر سال حجاج کرام کی خدمات میں نئی ترتیب اور نئے انتظامات مرتب کئے گئے۔ تعلیمی امور میں تعیین اساتذہ اور انتخاب کتب اور داخلہ طلبہ ایک مستقل باب ہے۔ یکم محرم الحرام ۱۴۰۰ھ کے حادثہ حرم عظیم کے بعد سرکاری نئے قوانین اور تحفظ امن و امان کی مد میں مولاناؒ نے مدرسہ کی خدمات کو بھی حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے محدود کر دیا لیکن وہی صبر و استقلال اور عزم و ہمت کا مظاہرہ کیا اور یہ خدمات جاری رہیں، مدرسہ کی ان طویل خدمات کی مدت تقریباً ۱۸ سال موجب فخر ہیں۔

مولانا مرحوم کی زندگی کا پورا وقت مدرسہ صولتیہ کی خدمت اور آنے جانے والوں کی ضیافت میں صرف ہوا۔ صحت اور آرام و راحت کی فکر نہ ہوتی۔ صبح سے جو کام میں لگتے تو آدھی رات گذر جاتی مختلف النوع کی متعدد خدمات کبھی خود انجام دیتے۔ کبھی اہل مدرسہ سے لیتے اور سرپرستی فرماتے۔ حج کے زمانہ میں حجاج کرام کی آمد و رفت مسلسل دفتر مدرسہ میں رہتی اور روزانہ سیکڑوں کی تعداد میں زائرین محبین متعلقین مخلصین دفتر مدرسہ میں تشریف لائے۔ مدرسہ صولتیہ کے روز اول سے حضرت بانی اعظم مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ اور اسلاف مدرسہ کے زمانہ سے حجاج کیلئے جو خدمات چلی آ رہی تھیں وہ بدستور باقی رہیں۔ بلکہ ان میں اضافہ ہوا۔ ان خدمات میں حجاج کی رقوم بطور امانت رکھنی، حجاج کے نام آنے والے خطوط اور ڈاک، اردو اخبارات و رسائل کا انتظام اور فراہمی، طواف و سعی اور مدینہ منورہ و حج کی دعاؤں کے کتابچوں کی نشر و اشاعت، سرمۂ زمزم کی فراہمی اور تقسیم، طواف اور سعی کے سات چکروں کیلئے سات دانوں کی تسبیح کا اہتمام اور تقسیم، ڈاک کے سعودی ٹکٹ، دم جنایت، دم احتیاط دم شکرانہ، دم تمتع و قران صدقہ اور عام نفلی قربانیوں کے جانوروں کا اہتمام اور متعدد خدمات کے علاوہ مدرسہ کی امداد و معاونت، اور مدرسہ سے متعلق تاریخی معلومات وغیرہ کے متعلق معلومات حاصل کرنے والے الگ ہیں علماء صلحاء اولیاء زائرین اور مہمانوں کا ہجوم خاص اور ان کے قیام و طعام اور آمد و رفت کے انتظامات۔ خلاصہ یہ کہ مولانا نے اپنی ذات کو ایک انجمن بلکہ ایک ادارہ کی حیثیت اور شخصیت بنا رکھی تھی۔ تمام واردین و قاصدین سے الگ الگ مختلف النوع کی باتیں اور مقاصد کے کیلئے اپنے آپ کو وقف کر رکھا تھا، اور ہر ایک سے وسعت قلبی اخلاق حمیدہ اور خندہ پیشانی سے ملتے اور سب آپ سے اور آپ کی خدمات و مآثر سے متاثر ہو کر جاتے، مسائل حج و عمرہ و طواف معلوم کرنے والے زبانی یا ٹیلیفون سے آپ کی تشریح و توضیح اور تفسیر و تفہیم کے انداز طویل کے شائق تھے مولانا مرحوم نیک دل رکھنے کے ساتھ نہایت عابد و متقی تھے۔ اکثر اوقات میں دوگانہ نفلی ادا کرتے رہتے اور قرآن شریف کی تلاوت کے علاوہ مختلف اوراد و وظائف کے پابند تھے۔ صدقہ کا بے انتہا اہتمام فرماتے تھے، تمام دن صدقہ میں کچھ دیتے رہتے۔ چاہے کھجور کا ایک دانہ یا مٹھائی کا ٹکڑا کیوں نہ ہو۔

(باقی صفحہ ۲۴ پر)

عالم اسلام

وصاف عالم ندوی

مصری پارلیامنٹ کے ممبران کی ایک بڑی تعداد نے اسپیکر کو ایک میمورنڈم پیش کیا جس میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ شریعت بل کے نفاذ کے مسئلہ کو پارلیامنٹ میں لایا جائے جس میں مختلف سابق ممبران پارلیامنٹ بھی شامل تھے اس بل کو پارلیامنٹ میں پیش کرنے کیلئے شیخ جمال قطب نے ارکان پارلیامنٹ سے ۲۳ر دستخطیں بھی حاصل کر لیں کیونکہ کسی بھی بل کو پارلیامنٹ میں زیر بحث لانے کیلئے ضروری ہے کہ ۲۰ر ممبروں نے اتفاق کیا ہو۔

اخبار "عالم اسلامی" کے مطابق ۱۰۳ر ممبروں میں سے ۹۰ر ممبران نے اس سے اتفاق کیا ہے۔ یہ بات مدنظر رہے کہ اسلامی قانون سازی کیلئے ابتک مختلف کمیٹیوں کی تشکیل عمل میں آتی رہیں جس نے اپنا کام مکمل کر لیا ہے اور اسلامی لاء کے نفاذ کی ساری کارروائیاں تیار ہو چکی ہیں اور صرف نفاذ کا مسئلہ رہ گیا ہے ــــ ارکان پارلیامنٹ نے شرعی قوانین کی تنفیذ کا مطالبہ اس بنیاد پر کیا کہ آج ہمارا معاشرہ جس گندگی انتشار اور مغرب زدگی سے گذر رہا ہے اسکا واحد حل یہ ہے کہ شریعت اسلامی کا نفاذ مکمل طور پر کیا جائے تاکہ ہمارا معاشرہ تدریجی خودکشی سے محفوظ رہ سکے۔

مسلم جمہوریاؤں کیلئے عالمی اسلامی امدادی ادارہ کی نئی پلاننگ۔

حال میں جو سویت یونین سے ٹوٹ کر جو مسلم جمہوریائیں کمیونزم کے شکنجہ سے آزاد ہوئی ہیں انکے درمیان دعوتی، اصلاحی کام کرنے کے سلسلہ میں اسلامی عالمی امدادی ادارہ نے متعدد منصوبے تیار کئے ہیں ان منصوبوں پر عمل درآمد کرنے کیلئے تقریباً ۱۸ر ملین ریال درکار ہیں جس سے تو ایسی چھوٹی چھوٹی مسجدیں تعمیر کی جا سکیں [illegible] اور ایک سو ایسی مسجدیں تعمیر کی جا سکیں گی جن میں ڈھائی سو مصلی بآسانی نماز ادا کر سکیں اس کے علاوہ پانچ ملین مصاحف کی تقسیم کا عظیم کام بھی ہو سکے گا۔

اسلامی عالمی امدادی ادارہ نے تمام مخیر حضرات سے ان منصوبوں میں دامے درمے شرکت کرنے کی درخواست کی ہے اور کہا ہے کہ قبل اس کے یہودی سازش اور عیسائی مشنریاں اور قادیانی بہائی تحریکیں انھیں لپک لیں ہمارا فرض ہے کہ کمیونزم سے آزادی کے بعد ہم انھیں اسلامی حقائق و عقائد سے قریب اور دیار مقدسہ سے انھیں مربوط کریں۔ یہ منصوبے اسوقت عمل میں آئے ہیں جبکہ عالمی اسلامی امدادی ادارہ کی جانب سے ایک موقر وفد نے ان جمہوریاؤں کا دورہ کیا۔ (المسلمون)

جہاد افغانستان اور سویت یونین کا داخلی محاذ۔

۱۹۸۹ء کے اواخر میں ٹائمز آف امریکہ کے ایک شمارہ میں گورباچوف کے فوجی مشیر نے ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ افغانستان کے مسئلہ میں ہمارے ملک کی دخل اندازی ہمارے معاشرہ اور اس جنگ میں شرکت کرنے والے فوجیوں کیلئے ایک المناک سانحہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ خصوصاً ان کے نیم فوجی دستوں پر اس جنگ کے نہایت بھیانک اثرات مرتب ہوئے ہیں حال یہ تھا کہ جنگ میں شرکت کیلئے جس کر و فر سے روانہ ہوتے تھے واپسی میں اس قدر انکی حالت ابتر ہو رہی تھی ــ غالباً اسی کیطرف ایک عرب سفارت کار نے اس طرح اشارہ کیا تھا کہ ۱۳ر سالہ افغان جنگ روسی فوجیوں کیلئے ایک لیبارٹری کی حیثیت رکھتی ہے اس میں جس نے بھی شرکت کی وہ ایک نئے تجربہ کیساتھ باہر آیا ــ اسی وجہ سے سویت یونین کا خارجی ترجمان "جراسیموف" ۱۹۸۹ء میں بیان دیا تھا کہ اس کے بعد پھر اس قسم کی دخل اندازی کی ہمت نہیں کی جا سکتی اور اگر ایسا [illegible] بار ہمیں سوچنا پڑے گا اسی طرح "الکسندر بروکانوف" کا موسکو اخبار میں ایک انٹرویو شائع ہوا ہے جس میں انھوں نے اسلامیات و سماجیات کے روسی ماہرین اور سیاسی قائدین اور مسلح افواج کی کھل کر مذمت کی ہے کہ ان لوگوں نے پورے ملک کو افغانستان جنگ میں ڈھکیل کر ایسی افسوسناک غلطی کا ارتکاب کیا ہے جو خودکشی کے مرادف ہے اور سنجیدگی سے کوسوں دور ہے۔ (البیان المعرض، مارچ ۱۹۹۲ء)

خادم الحرمین شریفین کے اہتمام میں فقہ اکیڈمی کا ساتواں سیمینار

مکہ المکرمہ میں ۷ تا ۱۱ر ذیقعدہ کو ہونے والے فقہی سیمینار کے سلسلہ میں خادم الحرمین شریفین نے اپنی خوشی کا اظہار کیا اور ساتھ ہی اس کی میزبانی اور اسکے اخراجات کی پوری ذمہ داری قبول کی۔

فقہ اکیڈمی کے ناظم اعلیٰ جناب الحبیب بلخوجہ کے قول کے مطابق "بیع الوفاء"، "عقد ربح"، "عقد استصناع"، "بیع بالاقساط" کے علاوہ مختلف جدید موضوعات اس سیمینار میں زیر بحث آئیں گے، اسی طرح عالمی منڈیوں شرکت اور مختلف قسم کے تجارتی معاملات پر بھی غور کیا جائے گا۔ جناب الحبیب نے بتایا کہ ساتھ ہی مختلف فطری و فکری رجحانات اور جن راستوں سے انکے در آنے کے امکانات ہیں انکا بھی جائزہ لیا جائیگا ــ اکیڈمی نے مختلف ممالک اسلامیہ سے تعلق رکھنے والے وعمیق نظر فقہاء، اطباء اور ماہرین معاشیات کو اس سیمینار میں شرکت کی دعوت دی ہے انھوں نے بتایا کہ سیمینار کے مباحث پر مشتمل ایک کتاب بھی جلد سامنے آجائے گی۔ آخر میں اس طرف اشارہ کیا کہ کچھ علمی پلاننگ بھی ہیں امید ہے کہ بہت جلد عملی جامہ سے آراستہ ہو جائیں گی جیسے اقتصاد پر مبنی فقہی موسوعہ کی تدوین، فقہ مالکی سے متعلق اصطلاحات فقہیہ کی ترتیب "الجواهر الثمينة" کی تحقیق، اور رقاعی [illegible] کی کتاب [illegible] کی تحقیق (الدعوۃ الاسلامیۃ [illegible])

ڈاکٹر اریک ونکل نے اپنے قبول اسلام کا اعلان کیا۔

ڈاکٹر اریک ونکل جو دنیا کی مختلف زبانوں میں قدرت رکھنے کے سلسلہ میں اپنا ثانی نہیں رکھتے اور بیک وقت عربی، اردو، [illegible] فرنچ، ہندی، لاطینی، تامل، ملیالم میں اچھی گفتگو کر سکتے ہیں، بڑی سوجھ بوجھ اور ارکان اسلام کا غائرانہ مطالعہ کے بعد اپنے قبول اسلام کا اعلان کر دیا ہے۔

ڈاکٹر اریک ونکل ایک امریکی نژاد نوجوان شخص ہیں جو امریکہ کے صوبہ کنساس سے تعلق رکھتے ہیں ۱۹۶۳ء میں ان کی ولادت ہوئی اور ۱۹۹۱ء میں جنوبی کاروسینا یونیورسٹی سے "علم الوجود الیساریۃ فی نظر الاسلام" کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کیا۔

اسلام کے سلسلے میں انکی تحقیق کا آغاز اسی وقت ہو چکا تھا جبکہ زمانۂ طالبعلی میں ان پر حقیقت نصرانیت کی یافت کی دھن سوار تھی جسکی وجہ سے انھیں مختلف زبانیں سیکھنی پڑیں اور عیسائیت کے متعلق مختلف کتابیں تصنیف کیں اور متعدد اسلامی موتمرات میں شامل ہوئے فی الحال ملیشیا کے بین الاقوامی اسلامی یونیورسیٹی میں طلباء کے مسائل کے ذمہ دار ہیں۔

انہوں نے بتایا کہ میرے قبول اسلام کیوجہ دراصل نصرانیت سے بیزاری و عدم اطمینان اور ارکان اسلام پر ایک حد تک لاشعوری ایمان ہے انکی خواہش ہے سارے عالم پر نظام اسلامی کا بول بالا ہو۔ اخیر میں صراحت کے ساتھ کہا کہ وہ اپنے ارادہ و اختیار اور انشراح صدر کے بعد دین اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔

الدعوۃ ۲۰ر مارچ ۱۹۹۲ء

بلغاریہ میں اسلامی سرگرمیاں

الندوۃ العالمیۃ للشباب الاسلامی کے نمائندہ ڈاکٹر فاتح حسین کے قول کیمطابق بلغاریہ کے مسلمانوں نے چار عظیم الشان مدارس اور اسلامی مراکز قائم کئے ہیں، اور ایک ملین سے زائد اسلامی لٹریچر شائع کئے ہیں اور تقریباً پچاس بلغاری مسلم طلبہ اسلامیات میں اختصاص کیلئے مختلف اسلامی یونیورسیٹیوں میں زیر تعلیم ہیں، اسی طرح چالیس مسجدوں کی مرمت سازی کا کام پورا ہو چکا ہے اور ایک اسلامی مجلہ کا اجراء بھی ہو چکا ہے اور تقریباً ایک ملین سے زائد اسلامی پمفلٹس شائع ہو چکے ہیں اور ڈھائی سو سے اوپر چھوٹے بچے مختلف مسجدوں میں قرآن مجید کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں انھوں نے کہا کہ اس دو سال کے عرصے میں وہاں کے مسلمانوں نے [illegible]

[illegible]

تذکرہ نہ کہ تبصرہ

ماہنامہ الفرقان کا تازہ شمارہ دو شماروں کی جگہ پر شائع ہوا ہے اور پورا شمارہ واقعہ کربلا مصنفہ مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی پر مولانا عبداللہ عباس ندوی مدظلہ کے تبصرہ شائع کردہ تعمیر حیات کے جائزہ اور تنقید پر ہے۔

اس شمارہ کے مندرجات میں تبصرہ کے عام اجزاء کے جائزہ اور تنقید کے علاوہ تبصرہ کی اس عبارت کو خاص طور پر زیر بحث لایا گیا ہے جو مصر کے سید قطب، احمد امین جیسے فضلاء کے حوالے سے دی گئی تھی اور اس میں بعض صحابہؓ کے مقام صحابیت کی تحقیر ہوتی ہے، مولانا عبداللہ عباس ندوی زید مجدہم نے اس خیال کی طرف متوجہ کئے جانے پر تعمیر حیات کو فوراً مطلع کر دیا تھا کہ وہ تمام صحابہؓ کرام کے متعلق بلا استثناء وہی عقیدہ رکھتے ہیں جو تمام علمائے جمہور امت کا ہے۔

انھوں نے مصنف کتاب کی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں قائم کئے ہوئے نقطۂ نظر کی تردید و تغلیط کے ضمن میں سیاق کلام کے طور پر وہ عبارت نقل کی تھی اس غلطی کی، اور لغزش سے متنبہ ہو جانے پر اس سے براءت کا اعلان کرتے ہیں، چنانچہ تعمیر حیات کے گذشتہ شمارہ میں اس کا اعلان کر دیا گیا تھا، مولانا نے تحریر بھیجنے کا ارادہ بھی ظاہر کیا تھا لیکن مراسلات اور مراسلات در مراسلات کی گنجائش تعمیر حیات میں نہیں سمجھی گئی اس لئے اس پر مزید بحث سے معذرت کر دی گئی تھی۔

مولانا عبداللہ عباس زید مجدہم نے لکھنؤ آنے پر مولانا عتیق الرحمان صاحب کا خط دیکھا اور اس کے جواب میں نہایت فراخدلی کے ساتھ اس قابل اعتراض عبارت سے اپنی براءت بذریعہ خط کی اور یہاں تک لکھ دیا کہ جن الفاظ میں براءت تجویز کی جائے وہ کر سکتے ہیں۔ یہ خط مولانا عتیق الرحمٰن صاحب سنبھلی کو الفرقان کے تازہ شمارے سے قبل وصول ہو گیا تھا لیکن تازہ شمارے میں قضیہ مذکورہ اس طرح بیان کیا گیا ہے اور اس طرح تنقید و طعن و تجریح کی گئی ہے کہ جیسے قابل اعتراض عبارت سے نہ براءت کی گئی ہے اور نہ جمہور اہل سنت کے عقیدہ سے مکمل وابستگی و اتفاق کا اعلان کیا گیا تازہ شمارہ میں مولانا عبداللہ عباس صاحب کو ان کی صراحت و اعلان براءت کے باوجود مجرم ثابت کرنے کی کوشش تو کی ہی گئی ہے اس کے علاوہ حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہٗ کو بھی پوری طرح طعن و تشنیع کا ہدف بنایا گیا ہے کہ انھوں نے مولانا عبداللہ عباس صاحب کے خلاف نام لے کر کیوں ان کی گمراہی کا اعلان نہیں کیا۔

قارئین جو الفرقان کا تازہ شمارہ پڑھیں وہ اس بات کو جان لیں کہ یہ سب مولانا عبداللہ عباس صاحب کی طرف سے قابل اعتراض عبارت سے اپنی علیحدگی کے اعلان کو نظر انداز کر کے لکھا گیا ہے۔ شمارہ میں تجریح و تشنیع کا لہجہ و اسلوب وہ اختیار کیا گیا ہے جس کی روح دانستہ یا نادانستہ شخصی ناگواری کے جذبات سے بھری ہوئی ہے جو تبصرہ و تنقید کے اسلوب کے خلاف ہے مزید برآں اس شمارہ میں ندوہ کے سلسلہ میں وہ انداز اپنایا گیا ہے جس سے ادارہ کے ذمہ داروں کے خلاف شخصی شکایات و غصہ کا اسلوب و لہجہ جھلکتا نظر آتا ہے۔

علاء الدین ٹی
ٹی کمپنی بمبئی
ALAUDDIN TEA
Tea Co.
44, Haji Building,
S.V. Patel Road, Null Bazar, Bombay 400 003.
Tele: Add CUPKETTLE Tel. 862220/8728708

مطالعہ کی میز پر

مولانا عتیق احمد قاسمی۔

کتاب :۔ علوم و ثقافت اسلامیہ
مصنف :۔ حکیم محمد اسلم صدیقی
صفحات :۔ ۱۸۴
کاغذ، کتابت، طباعت :۔ مناسب
قیمت :۔ غیر مجلد ۳۵، مجلد ۵۰ روپئے
ناشر :۔ المحمود پبلشرس۔ غازی پور لاج سر سید نگر۔ علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲

یہ کتاب حکیم محمد اسلم صاحب صدیقی کے برسہا برس کے مطالعہ و تحقیق کا نچوڑ اور ان کے ذوق علمی کی آئینہ دار ہے، علوم و فنون، تہذیب و ثقافت، ایجاد و اختراع سائنس و ٹکنالوجی کے میدان میں اسلام کی برکت سے مسلمانوں نے دنیا کو کیا کچھ دیا اس کی دلآویز روداد اس کتاب کے صفحات پر پوری جامعیت اور بلاغت کے ساتھ نقش ہے، اس کتاب کا تصنیف کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ہم اپنے درخشاں ماضی پر فخر کرتے ہوئے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں بلکہ مصنف نے مقصد تصنیف ان الفاظ میں اجاگر کیا ہے

"اس کی غرض و غایت صرف اس قدر ضرور ہے کہ شاید قارئین میں سے کسی پر امنگ ذہن میں یہ اضطراب اور خلش پیدا کرے کہ ہمارے اسلاف نے مصیبت جھیل کر کیا کچھ حاصل کیا اور دنیا کو بطور تحفہ کیا کچھ دے گئے اور ہم ان کے اخلاف نے اس دولت گراں مایہ کو کس بے اعتنائی اور بے دردی کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے ضائع کر دیا اور کاش! کسی قلب میں یہ ولولہ اور تڑپ پیدا ہو کہ ہم نے جو متاع کھوئی ہے اس کو از سر نو یافت کے لئے کمر ہمت باندھنی چاہئے، اگر کسی دل میں بھی یہ خلش اور حوصلہ پیدا ہوا تو مؤلف اپنے مقصد میں کامیاب ہے"!

کتاب ۷ ر ابواب اور ۔ ر عنوانات پر مشتمل ہے، کتاب کے ابواب درج ذیل ہیں
(۱) مسلمانوں کے عظیم الشان دینی کارنامے (۲) علوم و فنون (۳) ترجمہ اور مشاہدہ کی اہمیت (۴) عربوں کی چند خصوصیات (۵) عربوں کی چند ایجادات و اختراعات

(۷) اعتراضات :۔ کہتی ہے خلق خدا۔

کتاب میں دینی علوم کے تعارف و تذکرہ کا حصہ بہت مختصر و تشنہ ہے۔ دوسرے ایڈیشن میں باب اول پر نظر ثانی، اسمیں خاصے اضافے کی ضرورت ہے، کتاب کے مقدمہ اور اصل کتاب میں بعض احادیث نبویہ بے حوالہ نقل کی گئی ہیں، کم از کم آیات و احادیث کے حوالے کا اہتمام بہت ضروری معلوم ہوتا ہے، مجموعی طور پر پوری کتاب میں بھی حوالے کا اہتمام کم نظر آتا ہے مصنف نے کتاب کے آخر میں ماخذ و مصادر کی اجمالی فہرست درج کرنے پر اکتفا کیا ہے، جگہ جگہ کتابت کی غلطیاں بھی ہیں، بعض جگہ عربی کتابوں کے نام غلط ہو گئے ہیں، امید ہے کہ مصنف کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں ان امور کی طرف توجہ دیں گے، مجموعی طور پر کتاب مفید اور معلومات افزا ہے۔

چند صدیوں سے عالم اسلام عصری علوم و فنون، سائنس و ٹکنالوجی، ایجادات و اختراعات میں یورپ اور امریکہ کی دریوزہ گری کر رہا ہے، کاش کہ ہمارے نوجوان اپنے اسلاف کے کارناموں کا مطالعہ کر کے یہ فیصلہ کریں کہ ہمیں عصری علوم و فنون، سائنس و ٹکنالوجی، علم و تحقیق کے میدان میں اپنی پسماندگی دور کر کے پھر دنیا کی امامت کا مقام حاصل کرنا ہے اور عالم اسلام کو اس قعر مذلت سے نکالنا ہے۔ جسمیں وہ کئی صدیوں سے گرفتار ہے۔

سیلاب محبت ہو، سیلاب صداقت ہو
سینوں میں اجالا کر، دل صورت مینا دے
احساس عنایت کر آثار مصیبت کا
امروز کی شورش میں اندیشہ فردا دے
علامہ اقبالؒ

بقیہ :۔ درس حدیث

"جب مدد طلب کرو تو اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کرو" یہ ہے کہ صرف اللہ ہی کی ذات سے مدد مانگی جائے اس لئے کہ اس کے علاوہ کوئی بھی دینے نہ دینے، نقصان دور کرنے اور نفع پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتا، مدد اسی سے طلب کی جاتی ہے بھروسہ کے قابل وہی ہے شہ

دنیا کی زندگی میں بندہ اللہ تعالیٰ کے حکموں پر عمل کرنے اور منع کی ہوئی باتوں سے بچنے اور تقدیر کے فیصلوں پر صبر کی توفیق ملنے میں خدا ہی کی مدد کا محتاج ہوتا ہے۔ سو جو شخص ان چیزوں میں اپنے کو مدد کا مستحق بنا لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے۔ حدیث صحیح میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، "ایسی چیز کے خواہش مند ہو جو تمہارے لئے نفع بخش ہو اور اس سلسلہ میں مدد اللہ تعالیٰ سے مانگو اور کمزور و بے حیلہ نہ ہو۔ جس نے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا چھوڑ دیا اور غیر اللہ سے مدد مانگی تو اللہ تعالیٰ اس کو اسی کے حوالہ کر دیتا ہے جس سے اس نے مدد مانگی ہے، چنانچہ وہ بے سہارا ہو کر رہ جاتا ہے، دینے والا اور روکنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، وہ سب سے بے نیاز اور مخلوق ساری کی ساری اسی کی محتاج ہے۔

اس کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں "اس بات کو دل میں بٹھا لے کہ اگر ساری انسانی برادری بھی باہم متفق ہو کر اور جڑ کر چاہے کہ تجھ کو کسی چیز سے نفع پہنچائے تو صرف اسی چیز سے تم کو نفع پہنچا سکے گی جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے مقدر کر دی ہے اس کے سوا کسی چیز سے نہیں۔ اور اسی طرح اگر ساری انسانی دنیا تجھ کو کسی چیز سے نقصان پہنچانا چاہے تو صرف اسی چیز سے نقصان پہنچا سکے گی جس سے نقصان پہنچنا اللہ تعالیٰ نے پہلے سے ہی تیرے لئے مقدر کر دیا ہے اس کے سوا کسی چیز سے تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا جا سکے گا۔

مطلب یہ ہے کہ بندہ کو دنیا میں جو بھی تکلیف اور نقصان یا نفع اور آرام پہنچتا ہے وہ اس کے لئے پہلے سے مقدر ہو چکا ہے یہ بات قرآن کریم کی متعدد آیات سے معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

"قل لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا" [۱۰]

کہہ دو کہ ہم کو کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی بجز اس کے کہ جو خدا نے ہمارے لئے لکھ دی ہو۔

دوسری آیت میں فرمایا:

"ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرأھا" [۱۱]

کوئی مصیبت ملک پر اور خود تم پر نہیں پڑتی مگر پیشتر اس کے کہ ہم اس کو پیدا کریں ایک کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے

جس دل میں توحید کا چراغ روشن ہوتا ہے اس کو یہ یقین ہوتا ہے کہ اس کو وہی اچھائی اور برائی، نفع اور نقصان پہنچ سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے لکھ دیا ہے وہ اپنے گرد و پیش کی ہر شے میں خدا کی قدرت کو جلوہ گر دیکھتا ہے لہٰذا اس پر راضی و مطمئن رہتا ہے۔

حدیث عقیدۂ توحید کی تاکید و وضاحت پر اس طرح ختم ہوتی ہے "اٹھا لئے گئے قلم اور سوکھ چکے صحیفے"

یعنی تقدیر لوح محفوظ میں لکھی جا چکی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں وہ طریقۂ زندگی واضح فرما دیا ہے جسے بندہ کو اپنی زندگی میں اپنانا چاہئے۔ وہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرے، جن باتوں کا حکم دیا گیا ہے ان کی ادائیگی میں کوتاہی نہ برتے اور جن چیزوں سے روکا گیا ہے ان کے قریب نہ پھٹکے اور دعا اور مدد صرف خدا ہی سے مانگے، اور نفع و نقصان جو بھی پیش آئے اس کو خوشی سے گوارا کرے یہ ہے توحید کی اصل روح۔

حدیث سے فقہی استنباط

۱۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا اللہ کے سوا کسی اور کا واسطہ دے کر نہ کرنا چاہئے۔ میں اس کو ناپسند کرتا ہوں کہ کوئی شخص اس طرح کہے۔ تو اپنے [illegible] بجاہ خلقک کہے۔ امام قدوری فرماتے ہیں بجاہ خلقک کہہ کر دعا کرنا جائز نہیں اس لئے کہ یہ متفق علیہ مسئلہ ہے کہ مخلوق کا خالق پر وجوبی حق نہیں ہے۔

۲۔ اور امام ابو حنیفہؒ نے جو یہ فرمایا کہ اللہ سے اس کی مخلوق کے واسطے سے نہ مانگا جائے۔ دو مفہوم رکھتا ہے ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ پر اس کی مخلوق کے ذریعہ قسم دی جائے اور یہ تمام علماء کے نزدیک ممنوع ہے دوسرا مفہوم یہ کہ اس سے قسم کے ذریعہ سوال کیا جائے یہ ایک جماعت کے نزدیک جائز ہے اور اس سلسلہ میں بعض سلف کے اقوال بھی ملتے ہیں۔

حدیث کے فوائد

۱۔ اس حدیث پاک کے الفاظ دل میں ایک جھرجھری اور ایک حرکت پیدا کر دیتے ہیں کہ اس میں عقیدۂ توحید جم جائے اور شرک کے تمام قسم کے شبہات دور ہو جائیں لوح دل پر توحید کے اثرات پڑتے رہتے ہیں کبھی نفس عبارت و الفاظ سے کبھی اس کے معانی و مفہوم سے۔

۲۔ جس دل میں حدیث پاک سما جاتی ہے اور وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس کو وہی خیر و بھلائی یا مصیبت و پریشانی پہنچ سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے لکھ دیا اور مقدر فرما دیا ہے۔ تو وہ اللہ تعالیٰ سے قرب و تعلق کی فضا میں رہتا ہے اور اس کے ہر خیال و عمل اور سلوک و چلن میں توحید جلوہ گر نظر آتی ہے۔

۳۔ مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ یہ یقین و عقیدہ رکھے اور اس پر مطمئن و قانع رہے کہ اس کے ساتھ جو حالات بھی پیش آتے ہیں اچھے یا برے روز آفرینش ہی سے اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مقدر فرما دیا ہے۔ کوئی بھی اس میں نہ تبدیلی کر سکتا ہے اور نہ اس سے اس کو دور کر سکتا ہے تو پھر انسان کسی انسان سے کیوں امیدیں لگائے۔

[۱] تحفۃ الاحوذی۔ ابواب صفۃ القیامۃ
[۲] بقرہ ۲۴۰
[۳] بقرہ ۱۵۲
[۴] محمد ۔ ۷
[۵] رعد ۱۱
[۶] بقرہ ۱۸۶
[۷] حم سجدہ
[۸] مسند احمد
[۹] تحفۃ الاحوذی
[۱۰] توبہ ۵۱ [۱۱] حدید ۲۲

بقیہ :۔ حج عالمگیر تعاون کا مظہر

فرد یا جماعت دوسرے انسانوں کے لئے طے کرتی ہے یقیناً اس میں کسی تقدس یا دلی رضا مندی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اپنے جیسا انسان کتنا ہی بڑا کتنا ہی مالدار اور کتنا ہی جاہ و منزلت والا ہو اس کے فیصلے کو اگر وہ وحی الٰہی کی روشنی میں نہ ہو تو کوئی عقل مند انسانی گروہ کیسے تقدس کا درجہ دے سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حج کے معلوم و معروف مہینے مقرر کر دیئے ہیں جو شوال ذوالقعدہ اور ذوالحجہ ہیں، ذوالحجہ کے ایام میں معمولی فقہی اختلاف ہے کہ نویں تاریخ یا دسویں تاریخ تک یا پورا مہینہ اشہر حج میں سے ہے لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا حج کا اصلی دن قمری مہینہ ذوالحجہ کی نویں تاریخ ہے اس سے متصل اور تین چار دن ہیں جن میں حج کے ارکان و سنن و مستحبات ادا ہوتے ہیں اس لئے خدا کی مقرر کردہ ان تاریخوں پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا، حکمت الٰہیہ دیکھیں کہ حج گرمی اور سردی کے تمام مہینوں اور دنوں میں ہوتا رہتا ہے اور موسم کی تبدیلی کے ساتھ ہر تیس تینتیس سال میں حج کا موسم بھی تبدیل ہوتا رہتا ہے اور صحیح حساب لگا کر جوڑا جائے تو تقریباً تین سو پچیس سال میں کوئی دن ایسا نہیں ہوتا جس میں حج نہ ہوا ہو اس سے بڑھ کر آفاقیت اور کیا ہو سکتی ہے کہ کائنات میں بسنے والا ہر شخص موسم کی اس تبدیلی کے ساتھ حج کرتا ہے اور کسی کو اس پر اعتراض نہیں ہوتا۔

اس عالمی اجتماع کو شعوب و قبائل کے تعارف کا سب سے بڑا مرکز ہونا چاہئے اور یہاں مزید عالم اسلام کے تعاون باہمی کے مشورے ہونا چاہئے اور اس طرح امت اسلامیہ کے جسم ناتواں میں ہر سال تازہ خون گردش کر سکتا ہے۔